عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

شوال، ذیقعدہ ۱۴۳۸ھ / جولائی، اگست ۲۰۱۷ء

Reg No. P476

جلد: پنج دھم

شمارہ: 11,12

فہرست

فی شمارہ : -/20 روپے (شمارہ ھذا: -/30 روپے)

سالانہ بدل اشتراک : -/250 روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔ رسالہ جاری کروانے کیلئے: 0313 979 2537

physiologist72@hotmail.com | www.darwaish.org | zayadtariq@hotmail.com

رویت ھلال

(اداریہ)

اسلام اخبار میں مفتی منیب الرحمان صاحب کا فخریہ بیان پڑھا جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ مفتی شہاب الدین صاحب کی گرفتاری اور ملک بدری کی وجہ سے ملک میں ایک ہی عید ہوگی۔لیکن ہمارے صوبے کے لوگوں نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ یہ فیصلہ مفتی شہاب الدین صاحب کا نہیں ہوتا بلکہ صوبے کے عوام الناس کا ھوتا ہے کیونکہ گواہوں کا آنا، ان پر علماء کا شرعی جرح کرنا، پھر اس شرعی گواہی کی روشنی میں عین سنت اور شریعت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اعلان کرنا، اس کا صدیوں سے یہاں رواج ہے۔جبکہ اس کے مقابلے میں سائنسی ترتیب کے پیچھے چلتے ہوئے اور صرف ڈی سی حضرات کے ٹیلیفون کو سنتے ہوئے چاند نہ دیکھنے کا فیصلہ کر لینا بہت زیادہ بے احتیاطی اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت کا صحیح فہم نصیب فرمائے۔آمین۔

وزیرستان، بنوں، کوہاٹ، چارسدہ، مردان، لکی مروت سے سو سے زیادہ گواہیاں موصول ہوئیں جن پر فیصلہ کیا گیا۔بعد میں کئی حضرات مزید آئے لیکن فیصلے کے بعد ان کی گواہی کی ضرورت نہیں تھی۔

اطلاع

ان شاء اللہ سلسلے کا سالانہ اجتماع خانقاہ ڈھوڈیال، مانسہرہ میں ۲۸، ۲۹، ۳۰ جولائی بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار منعقد ہوگا۔شامل ہونے والے حضرات بستر ہمراہ لائیں۔

پشاور سے روانگی کی ترتیب حسب ذیل ہوگی:

پہلا قافلہ: بروز جمعہ صبح چھے بجے دوسرا قافلہ: بروز جمعہ دن بارہ بجے تیسرا قافلہ: بروز جمعہ دن دو بجے

برائے رابطہ: 0301 83 55 613, 0333 922 63 45, 0313 955 10 30,

پاکستان اور کمیونزم

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

گزشتہ مہینے کمیونزم اور سوشلزم کے حوالے سے جناب اوریا مقبول جان صاحب کے مضامین اسلام اخبار کے ذریعے نظروں سے گزرے۔ موصوف اچھے لکھاری ہیں۔ اسلام کے جذبے سے سرشار ہیں۔ بات پختہ حوالہ جات اور دلائل سے کرتے ہیں۔

اپنے مضمون میں انھوں نے بتایا کہ ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۶ء کے دور میں پاکستان پر جو کمیونزم کی یلغار آئی اس کا مقابلہ فقط جماعت اسلامی نے کیا۔ یہ بات ایک حد تک درست ہے کہ کمیونزم کے مقابلے میں جناب مودودی صاحب کی تحریریں عرصۂ دراز سے چل رہی تھیں اور کمیونزم کے مقابلے کیلئے امریکہ میں ان کو مقبولیت اور پذیرائی حاصل تھی۔ اسی طرح شخصی حکومتوں کے عرب ممالک کے فرمانرواؤں کی بھی آشیرباد حاصل تھی۔ ان کا کنگ فیصل ایوارڈ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

لیکن پاکستان میں جہاں تک کمیونزم اور سوشلزم سے مقابلے کا تعلق ہے، اپنی محدود تعداد اور بہت محدود طبقے میں مقبولیت کے ساتھ یہ صرف جماعت اسلامی کے بس کی بات نہیں تھی۔ پاکستان میں دو دینی ادارے بڑے عجیب ہیں، جو اپنا دینی کام سرانجام دیتے ہیں لیکن میڈیا کو استعمال کرنے یا لوگوں کے سامنے آنے سے مکمل پرہیز کرتے ہیں، اس لئے عام لوگوں کی نظروں میں ان کی کارکردگی نہیں آتی۔ یہ دو ادارے تصوف کے سلسلے ہیں اور تبلیغی جماعت ہے۔ اس سخت فتنے کا جو مقابلہ اس وقت تبلیغی جماعت نے کیا اس کا بندہ عینی گواہ ہے۔

یہ ۱۹۶۹ء کا واقعہ ہے، اطلاع ملی کہ رائیونڈ کے مرکزی مقیمین اور بزرگوں کی ایک جماعت آرہی ہے جس میں اس وقت کے رائیونڈ کے امیر حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحب، مفتی زین العابدین صاحب، میاں جی عبداللہ صاحب رحمہم اللہ اور بھائی عبدالوہاب صاحب تھے۔ یہ حضرات اتنے اہم لوگ تھے کہ سارے کے سارے کبھی بھی اکٹھے نہیں نکلتے تھے۔ پشاور پہنچ کر انھوں نے پشاور کی بڑی اور

مرکزی مسجد، مسجد مہابت خان میں اجتماع کیا۔ رات کو بیانات ختم ہونے کے بعد بندہ جب حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحبؒ سے ملا تو انھوں نے بتایا کہ پورے ملک کا دورہ کر رہے ہیں اور ہر جگہ بڑے بڑے اجتماعات کر رہے ہیں کیونکہ ملک کمیونزم اور سوشلزم کی سخت یلغار میں ہے، خاص طور سے مشرقی پاکستان کو بہت خطرہ ہے۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں تبلیغی جماعت نے اپنے اصولوں سے ہٹ کر سیاسی پارٹیوں کی طرح مختلف چوکوں اور بازاروں میں بڑے بڑے اجتماعات کروائے جس کے نتیجے میں اللہ کے فضل سے کمیونزم کی آواز دب گئی۔

۲ مارچ ۱۹۶۹ء کو مجھے بزرگوں کا یہ پیغام ملا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ کے راستے میں نکل کھڑے ہوں کیونکہ ملک ہاتھ سے جا رہا ہے۔ اگر ملک نہ رہا تو ہم کیا کام کریں گے۔ پڑھائی کے اہم دنوں کو چھوڑ کر بندہ چھٹی لے کر روانہ ہوا۔ پہلے صوبہ سرحد کے کالجوں میں کام کرنا تھا، پھر لاہور جانا تھا۔ بندہ جماعت لیکر مردان کالج رات کے گیارہ بجے پہنچا۔ بزرگوں نے کہا تھا کہ دن رات کو نہیں دیکھنا، بس کمر باندھ کر کام کرنا ہے۔ چنانچہ کالج کی مسجد میں سامان رکھ کر ہم اسی وقت ہاسٹل پہنچے۔ اتفاق سے جس کمرے میں گئے وہ ڈیموکریٹک سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر کا کمرہ تھا۔ ڈیموکریٹک سٹوڈنٹ فیڈریشن ہی کمیونزم کا پرچار کر رہی تھی۔ اس سے کافی دیر بات کی اور اسی وقت اسے اپنے ساتھ مسجد لے گئے۔ دوسرے دن سارے ہاسٹلوں میں کام کیا۔ کمروں میں طلباء نے ماؤزے تنگ اور لینن کی تصویریں لگائی ہوئی تھیں۔ ہم نے تین دن خوب دعوت دی اور نماز کی فضاء قائم کر کے طلباء کو تبلیغی ترتیب کے مطابق منظّم کر دیا۔ یہاں سے مینگورہ، پھر تھانہ کالج مالاکنڈ آئے۔ جگہ جگہ کمیونسٹ لٹریچر تقسیم ہو چکا تھا اور طلباء اپنی سادہ لوحی اور کم عمری کی وجہ سے پراپیگنڈے کا شکار تھے۔ تھانہ کالج تک طلباء کی پوری بس تیار ہو گئی تھی، جنھیں ہم نے ساتھ لیا اور اپنے تربیتی ماحول میں رکھا۔ تھانہ کالج کا وہ منظر اب بھی میری آنکھوں میں ہے کہ ہم بیان ختم کر کے بس کی طرف روانہ ہو رہے تھے، ایک طالب علم نے روسی انقلاب کے تناظر میں ایک مشکل اور سخت سوال کمیونزم کے بارے میں کر دیا۔ بس میں بیٹھنے تک دو منٹ کا وقفہ بھی نہیں تھا۔ بندہ نے اس طالب علم سے کہا: "برخوردار! روس کو نہ تو چاہیے، نہ تیرا مفاد چاہیے، اسے گرم

پانی کی بندرگاہ کراچی چاہئے جس کے لئے سب کچھ کر رہا ہے۔'' یہ جملہ بولا اور ہم بس میں سوار ہوگئے۔

صوبہ سرحد کے کالجوں کے بعد پنجاب جانا ہوا۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج آخری تشکیل تھی۔ بزرگوں نے کہا ہوا تھا کہ کمیونسٹوں کے دلائل کو توڑیں اور اگر ان کے ساتھ الجھنے کی اور جھڑپ کرنے کی نوبت آئے تو وہ بھی کریں۔ حالانکہ تبلیغی جماعت کے اصولوں کے مطابق ہم بہت نرمی اور عاجزی سے بات کیا کرتے تھے لیکن اس موقع کیلئے یہ بات بزرگوں نے بتائی، تاکہ کمیونسٹوں کو یہ تأثر ملے کہ یہ ملک لینا اتنا آسان نہیں بلکہ آگے سے سخت ردِعمل ہوگا۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے طلباء بندہ کے اس رویے پر حیران ہوئے۔ ان کا خیال ہوا کہ یہ تبلیغی اصولوں کے خلاف چل رہا ہے یا پشاور کا پٹھان ہونے کے ناطے جذباتی بندہ ہے۔ حالانکہ ہمیں یہی ترتیب بتائی گئی تھی۔ ۲۷ مارچ کو اس دورے سے ہماری واپسی ہوئی۔

اسی اثنا میں ہندوستان کے ہمارے تبلیغی جماعت کے اکابر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالمی امیر تبلیغی جماعت اور حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان سے تشریف لائے۔ انہوں نے کراچی میں اجتماع کیا جس میں ہم سارے پاکستان کے کارکن شریک ہوئے۔ مجھے ابھی بھی پالنپوری صاحبؒ کے بیانات یاد ہیں، ایسے دلائل دیتے تھے گویا ایک پہلوان لوہے کا گُرز لے کر کمیونزم کی عمارت کی دیواروں پر وار کر رہا ہو، جس سے وہ دھڑام کے ساتھ زمین پر آکر گر رہی ہوں۔ سننے والے لوگ ایسے مبہوت ہو رہے تھے کہ بے خیالی میں مسلسل اپنی اپنی جگہوں سے آگے کو حضرت کی طرف کھسک رہے تھے۔ بیان ختم ہونے پر ہر آدمی اپنی جگہ سے کھسک کر تین چار فٹ آگے جا چکا ہوتا تھا۔

اسی اثنا میں پاکستان میں ۱۹۷۰ء کا الیکشن ہوگیا۔ یہ واحد الیکشن تھا جس میں پارٹیاں اپنے واضح منشور کے ساتھ شریک ہوئیں۔ چنانچہ پاکستان پیپلز پارٹی نے ''اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے اور سوشلزم ہماری معیشت'' کے منشور کے تحت الیکشن لڑا۔ جبکہ اے این پی (عوامی نیشنل پارٹی) نے ''سوشلزم، نیشنلزم اور سیکولرزم'' کے واضح منشور اور نعروں سے حصہ لیا۔ شیخ مجیب کی

عوامی لیگ نے چھ نکاتی ایجنڈے کے منشور پر الیکشن لڑا۔ پاکستان کے ۱۱۳ علماء نے سوشلزم والوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ بندہ مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیاست کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ ان کی پارٹی نے اس فتوے پر دستخط نہیں کیئے اور اس بات کو ان لوگوں کی غلط فہمی قرار دے دیا کہ یہ لوگ سوشلزم کو اسلامی نظام ہی کے مشابہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے قبول کر رہے ہیں اس لئے کفر کا فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ جب پیپلز پارٹی الیکشن جیت کر مغربی پاکستان پر حکومت بنانے کے قابل ہوگئی تو پھر سمجھدار لوگوں نے کہا کہ اگر سارے علماء کفر کا فتویٰ لگا لیتے تو یہ الیکشن اس بات کا اعلان ہوتا کہ پاکستان کا الیکشن کفار نے جیت لیا ہے۔

الیکشن کے بعد شیخ مجیب نے اکثریت حاصل ہونے کی رو سے اسمبلی کا اجلاس مشرقی پاکستان میں بلایا۔ جمہوریت کے اکثریت کے اصول کے تحت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور ولی خان صاحب جانے کیلئے تیار ہوگئے۔ جبکہ بھٹو نے مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے ہوتے ہوئے جانے سے انکار کر دیا اور جانے والوں کو دھمکیاں دے دیں کہ ان کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ اس غلطی سے ملک خانہ جنگی کا شکار ہوگیا اور حالات روز بروز ابتر ہوتے گئے۔ فوجی ڈکٹیٹر یحییٰ خان نے ناتجربہ کار اور بیوقوف سیاستدانوں کی بات مانتے ہوئے مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی کا فیصلہ کر دیا۔ اس پر شیخ مجیب نے نوجوانوں کی فورس مکتی باہنی (آزادی کے مجاہدین) کے نام سے بنالی۔ اس کے مقابلے میں جماعت اسلامی نے الشمس اور البدر نامی تنظیمیں بنالیں اور اس طرح مکتی باہنی اور الشمس والبدر کی شکل میں عوام ایک دوسرے کے آمنے سامنے لڑنے کیلئے کھڑے ہوگئے۔ اس منفی (Negative) ترتیب کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ سقوط ڈھاکہ کی شکل میں سامنے آیا۔ اس تناظر میں تبلیغی شوریٰ کا یہ فیصلہ ہوا کہ مغربی پاکستان سے دھڑا دھڑ جماعتیں بھیجی جائیں جس میں مغربی پاکستان کے ہر طبقہ کے لوگ ہوں اور وہاں جا کر مشرقی پاکستان کے لوگوں کو اپنی مجالس واجتماعات میں بلائیں تاکہ ہمارا اصلی رشتہ جو کہ اسلام کا ہے، اس کے ناطے مشرقی پاکستان کے عوام کے سامنے ایک مطالبہ اور دہائی آجائے۔ شاید ان کے دل نرم پڑ جائیں۔ اس میں بندہ کی بھی تشکیل ہوئی۔ بندہ نے اپنا تھری پیس سوٹ، جو تبلیغ میں لگنے کی وجہ سے اب زیر

استعمال نہیں تھا، بیچ کر ہوائی جہاز کے کرائے کا بندوبست کیا لیکن عین وقت پر چھٹی نہ مل سکی جس کی وجہ سے نہ جا سکا۔ بہر حال اس عنوان سے کئی جماعتیں دھڑا دھڑ بھیجی گئیں جنھوں نے خوب فضا بنائی۔ گزشتہ سال بنگلہ دیش کی حکومت نے جو ظالمانہ پھانسیاں دیں، یہ اسی دور کے جماعت اسلامی کے خلاف بنائے گئے مقدمات تھے جن پر فیصلے ہوئے۔

دوسری بات شوریٰ میں یہ آئی کہ ملک کے دو ٹکڑے ہونے سے عوام کے حوصلے ٹوٹ چکے ہیں اور سوشلسٹ، کمیونسٹ دھڑے بڑے فخر سے اپنے عقائد کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس کے لئے دو سو آدمیوں کا قافلہ چلایا گیا جس میں رائیونڈ کے مقیمین اور ملکی سطح پر تبلیغی جماعت کے صف اول کے علماء کو قافلے میں شامل کیا گیا اور ہر بڑے شہر میں علماء، افسران، عوام ہر طبقے میں خوب ملاقاتیں کیں اور بڑے بڑے اجتماعات کئے۔ خوب زوردار دعوت دی کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ سے ہوا اور ناراضگی کا سبب ہمارے اعمال بنے۔ اگر ان اعمال سے توبہ تائب ہو کر ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال کی مدد ابھی بھی ہمارے ساتھ شامل حال ہو گی۔ ان اجتماعات نے پورے ملک کا حوصلہ (Morale) بلند کیا۔

۱۹۷۳ء میں افغانستان میں کٹر کمیونسٹ سردار داؤد نے انقلاب برپا کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ تبلیغی شوریٰ میں دو باتیں سامنے آئیں۔ افغانستان کا کمیونسٹ انقلاب ہماری قبائلی سرحد کو متاثر کرے گا۔ کمیونسٹ اس علاقے میں اپنے لوگ بھیج کر دہریت (انکارِ خدا و آخرت) کی دعوت چلائیں گے۔ خدانخواستہ اگر انہوں نے اس دعوت سے توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد قبائلیوں کے دلوں سے توڑ دئے تو پھر ملک کو بچانے کیلئے بے انتہا فوجی وسائل درکار ہوں گے۔ فیصلہ ہوا کہ افغانستان کی سرحد پر بڑے بڑے اجتماعات کروائے جائیں۔ پیدل راستوں سے بغیر پابندی کے افغان عوام اور علماء بھی آئیں گے۔ ان اجتماعات کا داؤد کی حکومت پر بھی خوب دباؤ آئے گا۔ چنانچہ یہ اجتماعات منعقد کئے گئے۔ بندہ کی تشکیل کھوری، علاقہ باڑہ کے اجتماع کیلئے ہوئی۔ جماعت جا چکی تھی، بندہ اکیلا روانہ ہوا۔ نوعمری کی وجہ سے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ قبائلی علاقے میں بغیر رہبر کے نقل و حرکت مشکل ہے۔ افغانستان کی سرحد کے قریب ایک بس میں گیا جس میں انسان، بھیڑ، بکریاں، سامان اور ایندھن کی لکڑیاں سب

کچھ لدا ہوا تھا۔ سرحد کے قریب اترا اور روانہ ہوا ہی تھا کہ ایک قلعہ نما مکان کے پاس ایک نوجوان نے پشتو میں آواز دی: "او پنجابیه چری روان یی" یعنی او پنجابی کہاں جا رہے ہو۔ بندہ نے پشتو میں جواب دیا کہ پشاور سے آیا ہوں، تبلیغی جماعت آگے گئی ہوئی ہے، اس کے پاس جا رہا ہوں۔ تبلیغی جماعت کا نام سن کر آدمی نے خاموشی اختیار کر لی۔

سردیوں میں اس ٹھنڈے علاقے میں اجتماع کیا۔ حضرت شفیع قریشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مشرقی و مغربی پاکستان دونوں کے امیر تھے۔ یہ بزرگ دنیاوی لحاظ سے اتنی بڑی شخصیت تھے کہ پاکستان سے پہلے متحدہ ہندوستان میں ان کے چھ ہوزری کے کارخانے تھے۔ پورے ہندوستان کا نگران سربراہ جسے وائسرائے (Viceroy) کہتے تھے، ان کے ذاتی دوستوں میں ہوتے تھے، اور شام کو دونوں ٹینس کھیلتے تھے۔ اس جگہ سے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھایا اور ایسی تربیت کی کہ میرے شیخ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ان کی سلسلہ کی خلافت کا اعلان نہیں ہوا، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے کامل تربیت یافتہ آدمی ہیں۔ پاکستان آنے کے بعد دونوں پاکستانوں کے تبلیغی امیر بنے۔ یہاں بھی ہوزری کا ایک کارخانہ چلایا۔ اس اجتماع میں بہ نفس نفیس (خود) شامل ہوئے۔ اتنے بوڑھے تھے اور دل کے مریض تھے کہ میرے سامنے دل کا دورہ پڑا اور شہید ہو گئے۔ میں ہی واحد سنبھالنے والا (Attending) ڈاکٹر تھا۔ قبائلی علاقے کے ان اجتماعات کا خاطر خواہ فائدہ ہوا۔

بھٹو حکومت کے دوران سردار داؤد کو قتل کر کے اصل روسی نمائندہ ترکئی سربراہِ مملکت ہو گیا۔ اس کے آنے سے دہریت کی دعوت اور زوردار ہو گئی۔ دوبارہ افغانستان کی طرف سے پاکستان خطرے میں پڑ گیا۔ تبلیغی جماعت کی شوریٰ میں یہ بات زیر بحث آئی کہ افغانستان کے ساتھ ہمارا قبائلی علاقہ ہے جس کے عوام اکثر دیندار اور پاکستان کے مفت کے سرحدی محافظ ہیں۔ ان قبائل کا افغان قبائل پر بھی اثر ہے۔ خدانخواستہ اگر ان کی توحید و رسالت اور آخرت کا عقیدہ انھوں نے کمیونزم کی دعوت سے توڑ دیا تو پھر ہمارا اللہ ہی حافظ ہے۔ پھر یہ بات طے ہوئی کہ چترال سے چمن تک کی سرحد پر جماعتیں پھیلا دی جائیں تاکہ زوردار طریقے سے توحید، رسالت اور آخرت کی دعوت کی فضا بنائی جائے، جس کے اثرات بہت آسانی سے آنے جانے والوں کے ذریعے افغانستان تک جائیں گے۔ چنانچہ ڈیڑھ

ہزار کارکن اس کے لئے تیار کئے گئے۔ مجھے ایک جماعت دے کر پاڑہ چنار کیساتھ جو سرحد لگ رہی ہے وہاں بھیجا گیا۔

قبائل کے سارے علاقوں میں عموماً آدمی تھری ناٹ تھری بندوق اور پیش قبض (خنجر) کے بغیر نہیں چل پھر سکتا۔ چنانچہ جو علاقہ ہمیں کام کرنے کے لئے دیا گیا اس میں بھی یہی حالات تھے۔ اس علاقے میں ہماری جماعت اسلحے اور حفاظتی بندوبست کے بغیر چلی پھری۔ پھیلے ہوئے اکیلے اکیلے گھر تھے اور قلعہ نما حویلیاں جبکہ مسجدیں نہیں تھیں۔ کبھی درختوں کے نیچے ہماری راتیں، کبھی کھلے میدان میں، کبھی ندی نالوں کے کنارے کھلے آسمان تلے ہماری راتیں آئیں۔ اللہ کے راستے کی حفاظت تھی، ہم بغیر کسی خوف خطرے کے چلتے رہے۔ افغانستان کی سرحد کے قریب ایک علاقے میں پہنچے۔ بندہ خود خصوصی ملاقات کے لئے علاقے کے ملک کے گھر پر گیا۔ وہ سویا ہوا تھا۔ ہم نے انتظار کیا۔ جب جاگا تو ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ ''ترکئی نے پاکستانی علاقے کے ملکوں اور وڈیروں کو دعوت دی تھی، میں وہاں سے ہو کر آیا ہوں۔ ایسا نظام آیا ہے جو غریب، مزدور، کسان کا حامی ہے اور اس کے مفادات کا خیال کر رہا ہے۔ ہمیں اس دوران ایک ہال میں لے گئے جس میں مزدور، کسان، موچی، ترکھان، لوہار وغیرہ کے مجسّمے تھے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ یہ نظام ان لوگوں کا حامی ہے۔''

پھر اس نے افغانستان کے پچھلے بادشاہ پر تنقید شروع کر دی کہ کیا کیا ظلم اس نے کئے، اور پھر افغانستان کے پرانے نظام پر اور اسلام پر۔ بندہ کو اندازہ ہو کہ ترکئی نے تو ان ملک صاحبان کی ذہنی تطہیر (Brain Washing) کی ہوئی ہے۔ ملک صاحب نے مزید کہا کہ میں سفر پر جا رہا ہوں، میرے پاس آپ کے ساتھ ملنے کا مزید وقت نہیں ہے۔ اب اس سے پانچ منٹ ہی بات کرنے کو مل رہے تھے۔ اس تھوڑے وقت میں کتنی دعوت دی جا سکتی تھی؟ فوراً ذہن میں بات آئی، بندہ نے کہا: ''ملک صاحب! کچھ خبر بھی ہے افغانستان کا کمیونسٹ نظام کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''کیا ہے؟'' بندہ نے جواب دیا: ''یہ وہ نظام ہے کہ کل تمہاری بیوی، بیٹی اور بہو کو کارخانے میں کام کرنے کے لئے نکالیں گے۔'' غیرت وحیا پٹھان آدمی کی دکھتی رگ ہے۔ غرض بندہ کی ان باتوں سے ملک صاحب کمیونسٹ نظام کے بارے میں پریشان ہو گئے۔ یہی پریشانی بندہ ان کو دینا چاہتا تھا۔

ساتھیوں نے بتایا کہ چھ آدمی جن میں سے چار افغان اور دو روسی ہیں، سرحد پار کر کے پاکستانی علاقے میں دہریت کا پرچار کر رہے ہیں۔ بندہ نے مقامی تبلیغی ساتھیوں سے کہا کہ ان کا تعاقب کریں۔ ساتھیوں نے بتایا کہ ہمارے تعاقب کی وجہ سے تیراہ کے راستے یہ حضرات واپس بھاگ نکلے۔ اسی اثناء میں افغانستان سے ایک آدمی ملنے آ گیا۔ جس مسجد میں ہماری جماعت ٹھہری ہوئی تھی اس میں ہمارے بیان سے پہلے یہ آدمی بیان کیلئے کھڑا ہو گیا۔ اس نے تعارف کرایا: ''میں فلاں روحانی بزرگ کی اولاد میں سے ہوں۔ افغانستان سے آیا ہوں۔ یہاں جو آپ کو اطلاعات مل رہی ہیں کہ افغانستان میں کمیونزم چھا گیا، یہ بالکل درست نہیں ہیں۔ وہاں کوئی ظلم نہیں ہو رہا۔'' ایک مقامی آدمی جو شاید افغانستان سے ہی تھا، اٹھا اور اس نے کہا: ''جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ سارے ظلم وہاں ہو رہے ہیں۔'' اس آدمی نے مجمع پر نگاہ ڈالی۔ میرے بارے میں اس کا خیال ہوا کہ یہ یہاں کا بڑا عالم ہے، اس لئے مجھ سے ملا، بغل گیر ہوا اور دس روپے شکرانہ دیا۔ دس روپے کی اس وقت ۵۰ روٹیاں ملتی تھیں جو آج کل ۵۰۰ روپے میں ملتی ہیں۔ بندہ نے یہ ساری کارگزاری لکھ کر اس وقت کے پاکستان کے امیر حاجی بشیر صاحب کو بھیج دیں۔ تبلیغی جماعت کی کمیونزم کے توڑ کی کوششوں کی ایک عجیب ترتیب تھی، جس کو بندہ ایک واقعے کی شکل میں بیان کرے گا۔

ایک دفعہ پشاور یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلباء کی ایک جماعت دے کر بندہ کو پبی کے علاقے میں کام کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ پبی میں بندہ کا کلاس فیلو ایک بہت مشہور پرانا MBBS ڈاکٹر پریکٹس کرتا تھا۔ اس کو پتہ چلا تو ہماری جماعت کو زور سے اپنے محلے میں لے گیا اور جبراً شام کے کھانے کی دعوت بھی کر ڈالی۔ عشاء کے بعد ہم اس کے حجرے میں گئے۔ اس نے مجھ سے کہا: ''فدا! آج مجھ سے نہیں چھوٹ سکتے، میں ساری رات بٹھاؤں گا۔ کھانے کے بعد قہوے کا دور ہوگا، پھر چائے کا دور ہوگا اور پوری بحث ہوگی۔'' یہ آدمی ایران میں ملازمت کئے ہوئے تھا۔ شاہ ایران کا دور اس نے دیکھا تھا اور خمینی کے انقلاب میں بھی وہیں موجود تھا۔ شروع کے دن تھے اس لئے اس انقلاب سے بہت متاثر تھا نیز جماعت اسلامی کی کمیونزم کے خلاف کوششوں کا بھی معترف تھا۔ اس نے بحث شروع کی اور کافی دیر تک مسلسل بولتا رہا۔ اسلامی انقلاب، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، قتال، سب موضوعات پر دلچسپ

تقریر کی اور اس تناظر میں تبلیغی جماعت پر ایسے اعتراضات کہ آپ نہی عن المنکر نہیں کرتے، اور باطل کا مقابلہ اور قیامِ حکومت کے سلسلے میں کچھ کام نہیں کر رہے۔ یہ بحث اتنی سخت تھی کہ مجھے خطرہ ہوا کہ یہ نوجوان طلباء اور اساتذہ جو بندہ کے ساتھ آئے ہیں بس اس آدمی سے متاثر ہو کر ہم سے کٹ گئے۔

بندہ نے اس سے کہا کہ تمہاری بات میں نے مسلسل ایک گھنٹے سے زیادہ سنی اور درمیان میں کوئی بات نہیں کی۔ اب میں بولوں گا اور تم سنو گے۔ اس نے وعدہ کر لیا۔ میں شروع ہوا کہ بھائی ایک واقعہ آپ کو سناؤں گا، اگرچہ ایسی باتیں ہمارا پالیسی میٹر ہونے کی وجہ سے خفیہ ہوتی ہیں، جسے ہم عام طور پر بیان نہیں کرتے، لیکن چونکہ آپ کے سوالات کا جواب اس کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس لئے میں یہ بات بیان کروں گا۔

ہمارے بزرگوں کو اطلاع ملی کہ کمیونسٹ صوبہ پنجاب میں خاص طور سے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں منظّم ہو رہے ہیں اور یہ لوگ ٹوبہ ٹیک سنگھ کو پاکستان کا کریملن (روسی کمیونزم کا مرکز) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے اس مرکز کو توڑنے کا منصوبہ بنایا اور وہاں اجتماع رکھا۔ جہاں اجتماع ہوتا ہے اس سے تین چار مہینے پہلے وہاں تقریباً ایک ہزار کے لگ بھگ جماعتیں بھیجتے ہیں جو مسلسل محلّہ محلّہ، گلی کوچہ، مسجد، حجرہ، چوپال، سب جگہ پہنچ کر کام کرتے ہیں۔ چنانچہ گلی، کوچہ، دکان ہر جگہ توحید، رسالت اور آخرت کا چرچا شروع ہو جاتا ہے۔ کمیونسٹ جب نکلتے ہیں اور گلی، کوچوں، بازاروں میں پھرتے ہیں تو جماعت والوں کی سرگرمیوں نے علاقے کو ایک درس گاہ بنایا ہوتا ہے جس کے گلی کوچوں میں، بازاروں میں، دکانوں میں ہر جگہ باشرع آدمی پھرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایمان و آخرت کی دعوت جاری ہوتی ہے۔ اس فضاء کو جب کمیونسٹ دیکھتے ہیں تو ان کو پورا سبق مل جاتا ہے کہ جس جگہ کو ہم کریملن کا درجہ دیتے رہے ہیں وہاں تو فعال مذہبی دعوت چل رہی ہے۔ کمیونسٹ اور دہریوں کو کچھ عقل ہو تو اس پیغام کو سمجھ جاتے ہیں۔

بالآخر کریملن میں ہزاروں لاکھوں اسلام پر مر مٹنے والوں کا اجتماع منعقد ہو جاتا ہے جو کریملن کا اعلان کرنے والوں کے چھکے چھڑا دیتا ہے۔ اس ڈاکٹر صاحب کو بندہ نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب! اس طرح بغیر ٹکراؤ (Confrontation) کے، بغیر کسی کا نام لئے، بغیر کسی کے نظریات کے

خلاف بولے، ہم اس کی جڑیں کاٹ دیتے ہیں۔'' ڈاکٹر صاحب سمجھدار اور جذبے والا آدمی تھا، اس نے فوراً یہ جملہ بولا: Approach, Approach! یعنی باطل کے مقابلے کی کیا بہترین حکمت عملی ہے! بندہ کی بات از اول تا آخر سننے پر بندہ نے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ساتھیوں کی بھی تسلی ہوئی کہ بفضلہٖ تعالیٰ تبلیغ کی اسی سادہ ترتیب کی حکمت عملی کے اندر اتنے عظیم منصوبے پورے ہو جاتے ہیں۔

اہل تصوف اور تربیت کیلئے بیعت کے سلسلے چلانے والے بزرگ اور مشائخ پاکستان کا ایسا طبقہ ہے کہ انہیں اپنے تقویٰ، فہم اور اپنی روحانی قوت کے ذریعے سے لوگوں کے مسائل حل کرنے کی وجہ سے عوام میں زبردست خاموش تائید حاصل ہوتی ہے۔ لوگ ان کی رائے کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چلتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پورے پاکستان کے مشائخ نے کام کیا ہے۔ بندہ نمونہ کے طور پر اپنے دو بزرگوں کی کارگزاری لکھ رہا ہے۔ بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ پشاور یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے صدر تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دونوں کے سلسلۂ تصوف کے اجازت یافتہ بزرگ تھے۔ اپنے علم، تقویٰ اور کرامات کی بنیاد پر عوام میں بیحد مقبول تھے۔ پیروں سے معذور تھے۔ اس دور میں گاڑیوں کا اتنا رواج نہیں تھا، حضرتؒ نے اس معذوری میں پشاور یونیورسٹی کے سب ہاسٹلوں میں پہنچ کر طویل خطبات دیئے۔ اللہ کا احسان رہا کہ کمیونزم کی سخت یلغار میں پشاور یونیورسٹی جو کہ افغانستان کے قریب اور کمیونزم کے اہم ترین اہداف میں سے تھی، کمیونزم کے اثرات سے بطفیل ہمارے حضرتؒ کے محفوظ رہی۔ اساتذہ اور طلباء میں کمیونسٹوں نے جو تنظیمیں بنائیں وہ نہ کچھ کام کر سکیں نہ کچھ نتائج حاصل کر سکیں۔ اس طرح اس دور کی صوبے کی واحد یونیورسٹی جس کے اثرات پورے صوبے پر آ رہے تھے، کمیونزم کے رد میں پیش پیش رہی۔

افغان انقلاب کے بعد جب افغان مہاجرین پاکستان منتقل ہو گئے اور روس کے خلاف سخت جہاد شروع ہو گیا تو اس دوران افغانستان کی ساری جہادی تنظیموں کے دفاتر اور سربراہان پاکستان میں اور خاص طور سے پشاور میں تھے۔ افغان بار بار یہ بات کہتے تھے کہ پاکستان کی پیپلز پارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی افغانستان کی ''خلق'' اور ''پرچم'' پارٹیوں کی طرح ہیں اور کسی وقت بھی یہ لوگ اس ملک

میں مسئلہ کھڑا کر سکتے ہیں۔ جماعت اسلامی کی طرف سے کچھ محدود Confrontation (مقابلہ آرائی) کی ترتیب ہوئی۔ اس سلسلے میں خیبر میڈیکل کالج میں پیپلز پارٹی کے ایک طالب علم عطاء اللہ کا قتل بھی ہو گیا تھا، جس کے بارے میں یہی بیان سامنے آیا تھا کہ اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھ آئے ہوئے ایک افغان کے ہاتھوں ہوا ہے۔ مفتی محمود صاحبؒ نے کمال فراست سے کام لیتے ہوئے مقابلہ آرائی کی ترتیب کو مکمل رد کرتے ہوئے کہا کہ انہیں سیاسی میدان میں کام کرنے دیا جائے، یہ پاکستان میں افغانستان والے حالات قطعاً نہیں پیدا کر سکیں گے، اور ایسے ہی ہوا۔

بندہ کے دوسرے بزرگ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے براہ راست خلیفہ تھے اور اپنی کرامات کی بنیاد پر عوام میں بہت مقبول تھے۔ ضیاء الحق نے چاہا کہ افغان جہادی سربراہوں کی پاکستان کے معززین دعوتیں کریں اور اپنے لوگوں کے ساتھ انہیں بٹھائیں تاکہ ان کی روس کے خلاف جہادی ترتیب اور جہادی جذبہ ہمارے لوگوں کے سامنے آئے، جبکہ پاکستان کی برداشت اور افہام وتفہیم کی سیاست ان کے سامنے آئے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کے ہاں افغان جہادی سربراہوں کی کھانے کی دعوت کی گئی۔ اس دعوت میں بندہ کے ذمے پروفیسر برہان الدین ربانی صاحب، جو بعد میں صدر بنے، سے بات کرنا تھی۔ بندہ ان کے پاس ہی بیٹھا اور دوران دعوت برہان الدین صاحب سے عرض کیا کہ پروفیسر صاحب آپ کے ملک کو روس نے فوج کے ذریعے فتح نہیں کیا بلکہ نظریے کے ذریعے فتح کیا۔ آپ کے طلباء تعلیم کیلئے روس جاتے تھے جنھیں تعلیم کے ساتھ ساتھ روس نے اپنے نظریے کی بھی تربیت دی۔ جب خاصے لوگ ہو گئے تو انھوں نے خلق اور پرچم کے نام سے تنظیمیں بنا لیں۔ یہ سب ہو جانے کے بعد روس اس قابل ہوا کہ اپنی فوجیں اتارے۔ اب بھی پروفیسر صاحب آپ کے مسئلے کا ایک فوری لیکن عارضی حل ہے، اور ایک دائمی حل ہے۔ فوری حل تو جہاد ہے، جو آپ کر رہے ہیں، ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں، لیکن آپ کے مسئلے کا دائمی حل یہ ہے کہ آپ کا نوجوان اسلامی عقیدے اور نظریے کے لحاظ سے اتنا مضبوط ہو جائے کہ اسے کوئی متاثر نہ کر سکے۔ یہ بات آپ حاصل کر لیں تو آپ مکمل محفوظ ہو سکتے ہیں۔ آدمی سمجھدار تھا، اس نے ان دونوں باتوں کو تسلیم کیا اور کہا: ”حقه خبره دی اوکڑه ''یعنی

آپ نے حق بات کہی۔ اس سمجھداری کے باوجود یہ پروفیسر صدر بننے کے بعد چھ ماہ میں انتخابات کا وعدہ پورا نہ کرسکا اور اقتدار سے چمٹا رہا اور افغانستان کو مشکلات میں دھکیل دیا۔ ایک جلسہ خیبر میڈیکل کالج میں ہوا جس میں افغانستان کی قیادت مولانا یونس خالص صاحب نے کی جبکہ خیبر میڈیکل کالج کی طرف سے بندہ کا بیان ہوا۔ اس میں بندہ نے پاکستان کی برداشت اور افہام وتفہیم کی سیاست کو بھی بیان کیا جسے یونس خالص صاحب نے سراہا۔

آخر میں ایک اہم واقعے کی نشاندہی رہ گئی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی میں کمیونسٹوں نے طلباء کی باقاعدہ تنظیم بنالی تھی۔ تبلیغی جماعت نے اجتماع کیا اور ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلباء کو خاص طور سے شامل کرنے کی کوششیں کیں۔ یہ طلباء اجتماع میں شامل ہونے کو تیار نہیں ہوئے، بڑی مشکل سے کھانے میں شامل ہونے کیلئے آئے۔ جب دسترخوان لگا تو کچھ لوگ خدمت پر کھڑے تھے باقی کھانے کیلئے بیٹھ گئے۔ ان طلباء کو کمیونسٹوں نے یہ پٹی پڑھائی ہوئی تھی کہ دین بھی غریبوں کے استحصال (حقوق ضائع کرنا) کا ایک آلہ ہے، جسے مذہبی پیشواء اور دین دار لوگ استعمال کرکے طبقاتی نظام کو چلانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا خیال تھا کہ خدمت پر جو لوگ کھڑے ہیں، یہ غریب مزدور ملازم ہونگے، اور بڑے بڑے سرمایہ دار دسترخوان پر ہونگے۔ چنانچہ ان طلباء نے پہلے خدمت والوں کا پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ ان کو حیرت ہوئی کہ بڑے بڑے افسر اور تاجر خدمت کررہے تھے۔ انہوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے رائیونڈ کے مرکز کے ایک مقیم بزرگ سے پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ میں ایک عام کارکن ہوں جس نے زندگی وقف کی ہے اور جس کی مالی و دنیاوی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ اس ترتیب سے یہ طلباء متاثر ہوئے اور ان کی ایک جماعت تیار ہوئی جو اپنے تربیتی چلے کے دوران مغربی پاکستان میں کراچی سے پشاور تک سفر کرکے چلے۔ جب پشاور پہنچے تو ایک نوعمر طالب علم سے شبِ جمعہ کے اہم تبلیغی اجتماع میں بیان کروایا گیا۔ اس تربیتی دورانئے سے گزرنے کے بعد اس طالب علم کا دینی فہم اور جذبہ اس پائے کا تھا کہ بیان ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے مجمعے کے سامنے آکر کہا کہ اس نوجوان نے محمد بن قاسم کی یاد تازہ کردی۔ وہی طالب علم جو کل کمیونسٹوں کا لیڈر تھا، آج اسلام کا نمائندہ بن کر ایک پورے مجمع کو خطاب کررہا تھا۔

۱۹۷۹ء میں روسی فوج افغانستان میں داخل ہوگئی۔ افغانستان کے روسی قبضہ اور اس کے بعد اس کے کراچی کی گرم پانی کی بندرگاہ تک پہنچ جانے سے روس کو عالمی سطح پر بہت برتری مل گئی، جس کا امریکہ کو ناقابل تلافی نقصان ہو رہا تھا۔ ویت نام کی جنگ میں شکست کے بعد امریکہ اپنی فوج کو مقابلے میں لانے سے بہت کتراتا تھا۔ مالی مدد و اسلحہ دینے کے لئے تو تیار تھا لیکن اپنی فوج بالکل نہیں لا سکتا تھا۔ افغان علماء نے نعرۂ جہاد بلند کیا اور بے سروسامانی کی حالت میں روس کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ اس بات سے امریکہ کو بہت حوصلہ ہوا۔ اس نے سارے اسلامی ممالک کو متوجہ کیا، عربوں کا بے تحاشا مال اس جنگ میں جھونکا گیا۔ پوری دنیا سے مسلمان مجاہدین عملی طور پر لڑنے کے لئے آگئے۔ پاکستان کی حکومت فوجی جرنیل ضیاء الحق کے ہاتھ میں تھی جو ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور بہت باہمت پیشہ ور فوجی تھا۔ اس کے ذریعے پاکستانی فوج نے اپنی بہترین منصوبہ بندی سے جہاد کی رہنمائی کی جبکہ پاکستان کے مدارس کے علماء، طلباء، کالجوں کے طلباء اور عوام الناس جوق در جوق میدانِ جنگ میں پہنچے اور افغانستان کی سرزمین پر صحابہ کرامؓ کے زمانے کے جہاد کی یاد تازہ کردی۔

اس پوری خطرناک جنگ اور بمباری کے دورانئے میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہوئے تبلیغی جماعتیں مسلسل افغانستان میں چلتی رہیں، ایمان اور آخرت کی دعوت دیتی رہیں، اعمالِ صالحہ کی فضا بناتی رہیں اور اپنی قوتِ دعا سے اللہ کی رحمت کو متوجہ کرتی رہیں۔ ان کی کارکردگی کو مجاہدین نے اتنا سراہا کہ اپنے لڑنے والے مجاہدین کو کچھ وقت فارغ کر کے جماعتوں میں بھیجتے رہے اور اس بات کا انھوں نے اعتراف کیا کہ جو مجاہدین اس طرح کچھ وقت ایمان و اعمال کی فضا میں گزار کر آتے ہیں تو جہاد میں ان کا اخلاص اور کارکردگی دوسرے مجاہدین کے مقابلے میں بہت بڑھ جاتی ہے۔ دراصل میدان جہاد میں عقیدے اور عمل والا آدمی اترتا ہے۔ اس لئے عقیدے اور عمل کی محنت نہ ہو تو میدان جنگ کے لئے بھی نظریاتی آدمی ہاتھ نہیں آسکتے۔ تبلیغی جماعت کی یہ ساری کارکردگی بغیر میڈیا میں رپورٹ ہوئے للہ فی اللہ، اللہ کی رضا کے لئے ہوئی اور اللہ کے دربار میں آخرت کا سرمایہ بن کر پیش ہوتی رہی۔ یہ جہاد ایک عظیم منصوبہ تھا جس میں مختلف کاموں کے ٹھیکے جماعت اسلامی کو ملتے رہے۔ اس کے ذریعے ان حضرات کی اچھی خاصی کمائی ہوئی۔

۱۹۹۲ء میں روسی فوج کے نکلنے کے بعد پروفیسر مجددی صاحب کی صدارت میں جہادی تنظیموں کو جمع کر کے حکومت بنائی گئی۔حکومت تو بن گئی لیکن مجاہدین کی آپس میں لڑائیاں شروع ہوگئیں، خاص طور سے گلبدین حکمت یار اور رشید دوستم آپس میں برسرِپیکار ہوگئے۔یہی وقت بہت اہم تھا کہ افغانستان میں ایمان اور عمل کی محنت سے ایسی فضا بنائی جائے کہ افغانی ایمان اور عمل کے لحاظ سے مضبوط ہوکر آپس کے جنگ وجدال سے رک جائے اور امن وامان بحال کر کے ایک مضبوط حکومت بنا سکے۔اس سلسلے میں تبلیغی جماعت نے دھڑا دھڑ جماعتیں بھیجنا شروع کیں۔اس دوران بندہ خود اور بندہ کے استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر انور صاحب مرحوم نے ایک جماعت کے ساتھ تورخم سے لے کر دریائے آموتک کا سفر کیا۔گلی گلی کوچہ کوچہ ہم پھرے۔نوجوان، بوڑھے مدارس کے طلباء، علماء، کالجوں کے طلباء، قوموں اور قبیلوں کے سربراہان، عام غرباء عوام، سب طبقوں میں کام کیا۔اصل بات یہ ہے کہ ایمان اور ایمانی اعمال اگر امت مسلمہ میں زندہ ہوں تو سب سے پہلے تو یہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور کفار اور باطل سے حفاظت کا غیبی سامان ہے۔خدانخواستہ اگر کفار یلغار کر کے حملہ آور ہو بھی جائے تو ایمان اور اعمالِ صالحہ ہی وہ قوت ہیں جو مسلمان کو متحد کر کے ان کے خلاف صف آراء ہونے کیلئے تیار کر لیتے ہیں۔ ہر جگہ ہماری جماعت کو بہت زیادہ مقبولیت، تائید اور محبت کا ردعمل ملا۔لوگوں نے مساجد اور محلوں میں اس طرز پر کام کرنے کے ارادے کئے۔ ہمارے واپس ہونے کے تھوڑے عرصے بعد ہی کابل اور جلال آباد میں اور کچھ اور جگہوں پر تبلیغی مراکز بن گئے۔اس سفر میں رات کے وقت ایک جگہ ہماری جماعت پر اسلام دشمنوں کا جان لیوا حملہ بھی ہوا لیکن اللہ نے اپنے فضل سے حیرت انگیز طریقے سے بغیر ہتھیاروں کے ہم نہتے افراد کو ان ظالموں سے بچایا اور ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

سچ ہے کہ پاکستان کے اہل تصوف اور تبلیغی جماعت بغیر کوئی بدلہ، صلہ لئے اور میڈیا کی تر تیب اور شہرت سے بالکل دور رہتے ہوئے ملک کے اہم مسائل میں اتنا اعلیٰ کردار ادا کر لیتے ہیں جس کی مثال نہیں ملتی۔

☆☆☆☆☆

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہٗ (قسط۔۸۷)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

تقویٰ اور پرہیزگاری والی زندگی مثالی ہوتی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّھُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ۫ یُجَاھِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَۃَ لَآئِمٍ ؕ (مائدہ: ۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے (اس) دین سے پھر جائے تو (اسلام کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ اسلامی خدمات انجام دینے کے لئے) اللہ تعالیٰ بہت جلد (ان کی جگہ) ایسی قوم کو پیدا کردے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی، مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر، تیز ہوں گے کافروں پر (کہ ان سے) جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں (اور دین اور جہاد کے مقدمہ میں) وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ (معارف القرآن)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پڑھی گئی تو انھوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس کا مصداق کون ہوں گے؟ آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی پیٹھ پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ عجم تھے، عرب نہیں تھے۔ واقعی عجمیوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان کا آدمی آیا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اس شان کا آدمی دنیائے اسلام میں نہیں ہے۔ اس لئے آج بھی اور ہمیشہ کے لئے ۶۷ فیصد امت حنفی رہی ہے یعنی امام ابوحنیفہ کے طریقے پر رہی ہے۔ ۱۲ فیصد امت شافعی رہی ہے، ۱۰ فیصد امت مالکی رہی ہے اور ۸ فیصد حنبلی رہے ہیں۔ یہ چار امام ہوگئے اور باقی کے دو فیصد الم غلم، ایرا غیرا نتھو خیرا رہے ہیں۔

جس وقت دنیائے اسلام بالکل بودی ہوگئی، بیمار ہوگئی اور خلافتِ اسلامیہ بغداد میں جان نہ رہی اور جوان اتنے بے غیرت ہوگئے کہ چھلانگ لگانا، دوڑنا، اسلحے کو اٹھانا، ورزش کرنا اس کے کام نہ رہے۔ مجلسیں کرنا اور لڑکیوں کے پیچھے پھرنا ان کے مشغلے تھے، جس طرح آج تُو کررہا ہے، انٹرنیٹ پر

بیٹھا ہوا ہے، گندگی کر رہا ہے، شخصیت تیری ختم ہے، ہڈیاں تیری ختم ہو رہی ہیں، پانچ منٹ اِس بوڑھے کے ساتھ دوڑ نہیں سکتا، کیونکہ گندی زندگی گزری ہوتی ہے۔ تقویٰ اور پرہیز گاری والی زندگی اور ہی زندگی ہوتی ہے۔ نوے سال کی عمر میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ روزہ رکھے ہوئے میدانِ جنگ میں لڑ رہے تھے کیونکہ جو آدمی لڑتا ہے اور میدانِ جنگ میں گھوڑا دوڑاتا ہے اور نعرۂ تکبیر بلند کرتا ہے اس پر بڑھاپے کے اثرات جلدی ظاہر نہیں ہوتے اور تقویٰ والے کے ہوش وحواس آخر عمر تک بیدار رہتے ہیں اور اس کی زندگی مثالی ہوتی ہے۔ جن کی آخری عمر میں ٹٹیاں نکل رہی ہوتی ہیں، یہ میری تیری طرح کے آدمی ہوتے ہیں، جنھوں نے تقویٰ والی زندگی نہیں گزاری ہوتی۔

حق روشنی ہے اور باطل اندھیرا ہے:

فرمایا کہ آپ جب حق کام کریں اور حق کی بات کو آگے لے کر چلیں تو حق روشنی ہے اور باطل اندھیرا ہے، روشنی جب جلے تو اس کو کہنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی کہ میں روشنی ہوں اور اندھیرے کو میں مارتی ہوں یا بھگاتی ہوں۔ جوں روشنی جلی، اندھیرا خود بھاگتا ہے۔ میں آپ کو سچ بتاؤں اس وقت کفر و اسلام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ کیا ہے؟ اس وقت کافر کے اسلام میں داخلے کی سب سے بڑی رکاوٹ مسلمان ہے۔ اِس کی زندگی اسلامی نہیں ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں کشش نہیں رہی۔ مستند کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ دس کافروں کو مسلمان بنانے سے ایک مسلمان کو صحیح مسلمان بنانا زیادہ بہتر ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہوا ہے کہ سو کافروں کو مسلمان بنانے سے ایک مسلمان کو صحیح مسلمان بنانا افضل ہے کیونکہ حالتِ کفر میں آدمی جہنم میں گیا تو اتنا نقصان نہیں لیکن حالتِ اسلام میں آدمی جہنم میں گیا تو یہ بڑا نقصان ہے۔ کافر کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہماری زندگی ہے! میں اور تو ہیں! ہماری غیر معیاری زندگی ان کے اسلام میں داخلے کیلئے رکاوٹ ہے۔

اللہ والوں کو شہرت کی ضرورت نہیں ہوتی:

فرمایا کہ اللہ والوں کو شہرت کی، اشتہار کی، تشہیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشك آنست كه خود ببويد نه كه عطار بگويد خوشبو وہ ہے جو کہ خود خوشبو دے نہ کہ عطار کو یہ کہنا پڑے کہ یہ خوشبو ایسی ہے اور ویسی ہے۔ اگر وہ خوشبو ہے تو خود اپنے آپ کو بتادے گی

کہ میں کیا ہوں، خوشبو ہوں کہ نہیں ہوں۔ ہمارے ہاں پشاور یونیورسٹی میں ایک دینی سیاسی پارٹی نے کوئی تقریب کرنا چاہی تو کوئی چالیس پچاس آدمی مسجد میں جمع ہوئے اور مسجد میں کیمرے لے کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارا ایک بھانجا ہے اس کا بڑا سیاسی جوش و جذبہ ہوتا تھا۔ وہ بھی شامل ہونے کے لئے گیا ہوا تھا۔ تھا تو سلسلے کا تربیت یافتہ، اس نے جو دیکھا کہ مسجد کے اندر فوٹوگرافی کر رہے ہیں تو ان سے کہا: ''اے اللہ کے بندو! یہ کیا کر رہے ہو؟'' انھوں نے کہا کہ جی ہم کیا کریں، آج کل میڈیا کا دور ہے، یہ باتیں ضروری ہیں۔ اتفاقاً ان ہی دنوں اسلام آباد میں تبلیغی اجتماع ہو رہا تھا۔ اس نے کہا پچاس آدمی تو ہو نہیں اور میڈیا میڈیا کر رہے ہو جبکہ وہاں اسلام آباد میں اڑھائی لاکھ آدمی جمع ہیں پر کوئی میڈیا ویڈیا نہیں ہے۔

ان مدرسے والوں کو اللہ ہدایت دے۔ ہری پور کے ایک مدرسے نے اشتہار چھاپا۔ جن بچوں کی دستار بندی ہونی تھی ان بچوں کی تصویریں اشتہار پر لگائی ہوئی تھیں۔ ایک مدرسے کے مولوی صاحب نے اپنے مدرسے کی کارکردگی مجھے بھیجی تصویروں کے البم کی شکل میں، تصویروں کا پورا پلندہ اس نے ساتھ بھیجا۔ اللہ ہی ہدایت دے۔ میں نے کہا یہ مولوی صاحب خفا ہوگا ورنہ اس کو میں کہتا کہ اللہ پاک دین کے پھیلانے میں تیرا میرا محتاج ہی نہیں ہے کہ تُو اور میں غیر معیاری حرکتیں کرتے ہوئے اور اپنی شہرت کا سامان کرتے ہوئے لوگوں کو یہ تأثر دیں کہ ہم دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھ سے اور تجھ سے کام لینا چاہتا ہے کہ ہم اخلاص کے ساتھ اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کریں۔ اللہ پاک ہمارا محتاج نہیں ہے۔ اتنی بڑی مصیبت اور قتل کے خطرے سے اللہ پاک نے حضور ﷺ کو ایک مکڑی کے جالے اور ایک کبوتر کے گھونسلے کے ذریعے بچایا ہے۔ کتنی کمزور مخلوق مکڑی اور کتنی کمزور مخلوق کبوتر، ان دو کے ذریعے کو استعمال کیا اور اللہ نے بچایا۔ تو یہ دین تیرا اور میرا محتاج نہیں ہے!

باطل حق کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا:

فرمایا کہ ۲۰۱۱ء کے سالانہ گرمائی اجتماع کے موقع پر چترال کے علاقہ بمبوریت میں اجتماع کیلئے جاتے ہوئے سخت مشقت اور تکلیف ہوئی۔ ہم راستہ بھول گئے، ایک ایسے رستے پر چل پڑے کہ اس پر گاڑی چلانا گویا پل صراط پر گاڑی چلانا تھا۔ ڈاکٹر عمران تاجک صاحب ماشاءاللہ ٹیسٹ میں اور

آزمائش میں پاس ہوئے کہ انھوں نے گاڑی گزاری بھی اور واپس بھی کی۔ ہمارا تو تھانوی سلسلہ ہے، اس میں ہر بات منظّم ہے، بفضلہٖ تعالیٰ یہ انتہائی محققین کا سلسلہ ہے۔ حضرت بیک وقت تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، منطق، فلسفہ اور تصوف کے امام تھے اس لئے سلسلے میں ہر چیز منظّم ہوتی ہے۔ پہنچتے ہی سب سے پہلے مرتضٰی صاحب اور ان کے ساتھی پر خوب غصہ کیا، خوب دل ٹھنڈا کیا کہ میں غصے کو کیوں باطن میں چھوڑوں جو کہ بیماری کا ذریعہ بنے۔ اس کا اظہار کرنا چاہئے اور ان کی خوب ڈانٹ ڈپٹ کرنی چاہئے۔ اپنے سلسلے والے دوست ہیں، میں کتنا ہی بے تکا کیوں نہ چلوں ہمارے حضرات کی کرامتیں انھوں نے دیکھی ہوئی ہیں، اس لئے میری ساری سختیاں برداشت کر لیتے ہیں۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔ ہم سب کو سفر سے تکلیف پہنچی لیکن سچ بات یہ ہے کہ

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَ لَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ o وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَۃً صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ o (توبہ: ۱۲۰۔۱۲۱)

ترجمہ: ان کو اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی (تھکاوٹ) پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کہ کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا، یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ اور (نیز) جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام (نیکیوں میں) لکھا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے (ان سب) کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔ (معارف القرآن)

جتنا راستہ بھی ہم نے طے کیا اللہ کی رضا کیلئے طے کیا، جتنا خرچہ کیا اپنے اوپر اللہ کے راستے میں، اس کا ثواب کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ ویسے خرچ کرنے کا ثواب دَہ در دنیا اور ستّر در آخرت ہے۔ سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس پر ہمارے مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حساب کیا کرتے تھے۔ سات لاکھ کا حساب عام لگایا کرتے تھے اور دوسرے حساب سے ۴۹ کروڑ ثابت کر کے دیا کرتے تھے۔ اتنا تو جو آپ لوگوں نے اپنی ذاتوں پر خرچ کیا اس کا ثواب ہے۔ ایسے علاقوں میں جا کر کام کرنا جہاں

کوئی دینی فضا ہی نہیں ہے تو سچ بات ہے کہ ساری ترتیب کے فلسفی اور منطقی اثرات تو بعد کی بات ہے، روحانی اثرات پہلی بات ہے۔ جس فکر اور جذبے کے ساتھ کسی علاقے میں کوئی آدمی قدم رکھتا ہے تو اس کے قدم رکھتے ہی علاقے میں اثرات آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر جو اعمال کرتا ہے تو اعمال کے اثرات آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ایک بزرگ سنا رہے تھے کہ ایک علاقے میں ہندو جوگی گئے اور انھوں نے اپنے جوگ کے زور سے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا اور چھا گئے۔ کوئی اللہ والے نیک بزرگ عالم اس علاقے میں چلے آئے۔ جس دن پہنچے تو جوگیوں کو پتا چلا کہ ہمارا سحر اور جادو کا زور ٹوٹ گیا، چل نہیں رہا۔ پھر ان کو اندازہ ہوا کہ ہمارے دلوں اور دماغ پر بھی بوجھ آ گیا۔ وہ لوگ وہاں سے اس جگہ کو چھوڑ کر بستی سے باہر نکلے، باہر نکلتے ہی ان کو بوجھ ہلکا محسوس ہوا۔ جب بھاگے وہاں سے تو تب جا کے بوجھ ختم ہوا۔ انھوں نے جو معلومات کیں تو اندازہ ہوا کہ ایک اللہ والے آ گئے تھے اور ان کی روحانیت کا یہ اثر تھا کہ اس کے سامنے باطل ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ یہ روحانی اثرات آتے ہیں صحیح فکر کے ساتھ اور صحیح عقائد کے ساتھ۔

کفر کے ہاتھ میں اقتدار آ جائے تو انسان کو انسان ہی نہیں سمجھتا:

فرمایا کہ جب کفر کے ہاتھ میں اقتدار آ جاتا ہے تو وہ انسان کو انسان ہی نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک انسان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے... اللہ ہی بچائے۔ تھوڑی سی آدمی ہمت کرے اور کمر باندھے تو اللہ مدد فرماتا ہے لیکن دنیائے اسلام ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ ان کی کوئی ہمت ہی نہیں ہے۔ آپ کے فرمانروا ایسے بے ہمت ہیں اور امریکہ کے آگے ہتھیار ڈالے ہوئے ہیں کہ اس کے نتیجے میں یہ ساری مشکلات پیش آئی ہوئی ہیں۔ میرا ایک مہمان آیا تھا، اس نے کہا کہ مجھے تو امریکہ کی شہریت مل گئی ہے۔ میں نے کہا اللہ آپ کی حفاظت فرمائے، آپ لوگ عذاب اور تباہی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب! یہ سب کچھ آپ کے اپنے لوگوں کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے۔ امریکہ کے قریب کیوبا (Cuba) کا جزیرہ ہے، وہ لوگ کمیونسٹ ہیں، چھوٹا سا جزیرہ ہے، لیکن سر اٹھا کر کھڑے ہیں اور امریکہ ان کا کچھ نہیں کر سکا، اور تمہارے لوگ ان کو خود بلاتے ہیں، خود ان کے نمائندے اور ایجنٹ بنتے ہیں۔ اگر یہ تھوڑی سی ہمت کرتے تو یہ حالات نہ ہوتے۔''

(جاری ہے)

(قسط:۳)

نیا طوفان اور اس کا مقابلہ

عصر حاضر کے اس ذہنی اور اعتقادی ارتداد کی نشاندہی جو مغربی تہذیب وفلسفۂ حیات کے اثر سے ایک طوفان کی طرح عالم اسلام میں پھیل گیا ہے اور اس کے سد باب اور مقابلہ کی دعوت

(مفکر اسلام علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

مقدس ترین جہاد:

آج کا جہاد، وقت کا فریضہ اور عصر حاضر کی سب سے بڑی دینی ضرورت یہ ہے کہ لادینیت کی اس طوفانی موج کا مقابلہ کیا جائے، جو عالم اسلام کے سر سے گزر رہی ہے۔ نہیں! بلکہ آگے بڑھ کر اس کے قلب و مرکز پر حملہ کیا جائے، وقت کا تجدیدی کام یہ ہے کہ امت کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے میں اسلام کے اساسات وعقائد، اس کے نظام وحقائق اور رسالت محمدی ﷺ پر وہ اعتماد واپس لایا جائے جس کا رشتہ اس طبقے کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ آج کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اس فکری اضطراب اور نفسیاتی الجھنوں کا علاج بہم پہنچایا جائے جن میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بری طرح گرفتار ہے اور اس کی عقلیت اور علمی ذہن کو اسلام پر پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔ آج کا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جاہلیت کے وہ بنیادی افکار جو دل ودماغ میں گھر کر گئے ہیں، ان سے علم اور عقل کے میدانوں میں نبرد آزمائی کی جائے، یہاں تک کہ اسلام کے اصول ومبادی (بنیادی باتیں) پورے ایمانی جذبات کے ساتھ ان کی جگہ لے لیں!

کامل ایک صدی گزرتی ہے کہ یورپ ہمارے نوجوان اور ذہین طبقے پر چھاپے مار رہا ہے۔ شک والحاد، نفاق وارتیاب کا ایک طوفان ہے جو اس نے ہمارے دل ودماغ میں برپا کر رکھا ہے، غیبی اور ایمانی حقائق پر اعتماد متزلزل ہو رہا ہے اور سیاست اور اقتصاد کے مادہ پرستانہ نظریات اس جگہ پر قابض ہو رہے ہیں.....کامل ایک صدی سے اس شکست وریخت (توڑ پھوڑ) کا سلسلہ جاری ہے.... لیکن ہمیں اس کے مقابلے کی کوئی فکر نہیں ہوئی، ہم نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق

قدیم علمی ترکہ پر اضافے کرنا بھی ہمارا فرض ہے..... ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوئی کہ یورپ کے ان فلسفوں کو سمجھیں اور پھر ان کا علمی محاسبہ بلکہ سرجنوں کی طرح ان کا پوسٹ مارٹم کریں۔ ہمارا سارا وقت سطحی بحثوں کی نذر ہوتا رہا، یہاں تک کہ اس صدی کے آخر میں ہمارے سامنے، گویا یکا یک یہ منظر آیا، ایمان وعقیدہ کی دنیا متزلزل ہے اور ایک ایسی نسل تیار ہوکر برسر اقتدار آچکی ہے جو نہ اسلام کے عقائد ومبادی پر ایمان رکھتی ہے، نہ اسلامی جذبات اور اسلامی حمیت سے معمور ہے اور نہ اس کا کوئی علاقہ اپنی مؤمن ومسلم قوم سے اس کے سوا ہے کہ قومیت کے خانے میں اس کا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا ہے یا اگر کچھ تعلق ہے تو وہ محض سیاسی مصالح کی حد تک! بس اس کے سوا کوئی تعلق نہیں! اور اب اس سے بھی آگے بڑھ کر صورت حال یہ ہے کہ یہ لا دینی مزاج اور لا دینی اندازِ فکر ادب وثقافت اور صحافت و سیاست کے راستے سے جمہور تک پہنچ چکا ہے اور مسلمان قوموں کے سر پر عمومی پیمانے کی لا دینیت کا خطرہ منڈلا رہا ہے..... خاکم بدہن! وقت کی رفتار وہ وقت قریب لا رہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے میدان سے کہیں بے دخل کر کے نہ رکھ دیا جائے۔

دعوتِ ایمان:

یہ وقت عالم اسلامی میں ایک نئی اسلامی دعوت کا متقاضی ہے۔ اس دعوت وجد وجہد کا نعرہ اور نشانہ ہو ''آؤ پھر سے اسلام پر ایمان پیدا کریں!''..... لیکن تنہا نعرہ کافی نہیں ہے، اس میں پہلے وہ نفسیاتی راستہ سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے، جس سے عالم اسلام کے موجودہ برسر اقتدار طبقہ کے دل و دماغ تک پہنچا جا سکے اور اسے اسلام کی طرف لوٹایا جا سکے۔

بے غرض داعیوں کی ضرورت:

آج عالم اسلام کو ایسے مردانِ کار کی ضرورت ہے جو صرف اسی دعوت کے پیچھے ہو رہیں۔ اپنا علم اپنی صلاحتیں اور اپنا مال ومتاع اس کے لئے وقف کردیں، کسی جاہ ومنصب یا عہدہ وحکومت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں، کسی کے لئے ان کے دل میں کینہ وعداوت نہ ہو، فائدہ پہنچائیں مگر خود فائدہ نہ اٹھائیں، دینے والے ہوں لینے والے نہ ہوں، ان کا طرز عمل سیاسی رہنماؤں کے طرز عمل سے ممتاز اور

اس کی دعوت و جدوجہد سیاسی تحریکات (جس کا مطمح نظر محض حصول اقتدار ہوتا ہے) سے مختلف اور جداگانہ ہو، اخلاص ان کا شعار ہو اور نفس پرستی، خود پسندی اور ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر ان کا امتیاز ہو!

دعوت کے لئے نئے علمی اداروں کی ضرورت:

اس پر اضافہ یہ کہ آج ایسے علمی اداروں (Academies) کی عالم اسلامی کی بڑی اہم ضرورت ہیں، جو ایسا طاقتور نیا اسلامی ادب پیدا کریں جو ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دوبارہ کھینچ کر اسلام کے وسیع معنی میں اسلام کی طرف لاسکیں، جو انہیں مغرب کے ان فلسفوں کی ذہنی غلامی سے نجات دلاسکیں، جنھیں ان میں سے کچھ نے سوچ سمجھ کر اور زیادہ تر نے محض وقت کی ہوا سے متاثر ہوکر حرزِ جاں (جان کی طرح پیارا) بنالیا ہے.... وہ ادب.... جو ان کے دماغوں میں ازسرنو اسلام کی بنیادیں اٹھائے اور قلب وروح کی غذا بنے۔ اس کام کے لئے عالم اسلام کے ہر گوشے میں آج ایسے ارباب عزیمت درکار ہیں جو معرکے کے اختتام تک اس علمی محاذ پر جمے رہیں۔

میں اپنے بارے میں صراحت کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ زندگی کے کسی لمحے اور کسی وقفے میں بھی ان لوگوں میں نہیں رہا ہوں، جو دین وسیاست کی تفریق کے قائل ہیں، نہ میں ان لوگوں میں ہوں جو دین کی ایسی تعبیر کرتے ہیں جس سے وہ زندگی کے نظام اور حالات کے ہر سانچے میں (خواہ وہ اسلام سے کتنا ہی ہٹا ہوا ہو) فٹ ہو جائے اور ہر رنگ کی سوسائٹی میں جڑ جائے اور نہ میرا تعلق کبھی اس گروہ سے رہا ہے جو سیاست کو قرآن کے شجرۂ ملعونہ..... الشجرہ الملعونۃ فی القرآن .....کا مصداق سمجھتا ہے۔ میں ان لوگوں کی اگلی صف میں ہوں جو مسلمان قوموں میں صحیح سیاسی شعور کے داعی ہیں اور ہر اسلامی ملک میں صالح قیادت کو بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں، میں ان لوگوں میں ہوں جن کا اعتقاد ہے کہ دینی معاشرہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک دین کو اقتدار حاصل نہ ہو اور حکومت کا نظام اسلامی بنیادوں پر استوار نہ ہو، میں اس کا داعی ہوں اور زندگی کی آخری سانس تک رہوں گا۔

ماضی کے تجربے:

لیکن بات ترتیب اور تقدیم وتاخیر کی ہے، دینی حکمت اور دینی تفقہ کی ہے، اور سوال حالات کے تقاضے کا ہے۔ اب تک ہماری کوشش اور ہماری صلاحیتیں ہمارے وسائل اور ہمارے اوقات سیاسی

اور تنظیمی تحریکات کی نذر ہورہے ہیں اور یہ ساری جہد و حرکت اس مفروضے پر رہی کہ قوم میں پورا پورا ایمان ہے اور قوم کی قیادت.... جو لامحالہ تعلیم یافتہ طبقے ہی سے ہوتی ہے..... وہ بھی پوری طرح مسلمان ہے، اسلام کے عقائد و مبادی پر اس کا ایمان ہے، اسلام کی سربلندی کے لئے اس کے دل میں جوش و جذبہ ہے اور حدود و احکام کے نفاذ کے لئے بھی وہ تیار ہے حالانکہ بات اس کے برعکس ہے۔ قوم کا حال یہ ہے کہ ایمان میں ضعف اور اخلاق میں انحطاط آچکا ہے لیکن اس کا نہ ہمیں پتہ چلا نہ خود قوم کو شعور ہوا، تعلیم یافتہ اور اونچے طبقے کا حال یہ ہے کہ مغربی فلسفوں اور سیاست و اقتدار کے اثر سے بیشتر افراد میں عقیدہ گویا پگھل چکا ہے، بلکہ بہت سوں کا حال تو یہ ہو چکا ہے کہ اسلامی عقیدے سے کھلے باغی اور مغربی فلسفوں اور ان فلسفوں کے لائے ہوئے افکار و عقائد پر دل کی گہرائیوں سے ایمان، ان کے لئے دنیا سے لڑ جانے کا جوش و ولولہ، اور ان کی نشر و اشاعت کا جنوں، یہ فکر کہ زندگی کا نظام ان فلسفوں کی روشنی اور ان کی دی ہوئی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور یہ کوشش کہ پوری قوم کو اس لادینیت سے مانوس کیا جائے، یہ ہے اس طبقے کے بہت سے افراد کا ذہنی حال۔ پھر عمل کے میدان میں بعض جلد باز ہیں، بعض تدریج کے قائل..... بعض ان لادینی رجحانات کو طاقت کے زور سے قوم میں ٹھونس دینا چاہتے ہیں اور بعض قوم کو اس شیشے میں خوبصورتی کے ساتھ اتارنے کی راہ پر گامزن ہیں، مگر منزل سب کی ایک اور مقصد و ہدف سب کا واحد!

دینی طبقے کے دو متضاد گروہ:

اس طبقے کے بارے میں ہمارا دینی طبقہ بشرطیکہ یہ تعبیر درست بھی ہو، کیونکہ اسلام میں کوئی مخصوص دینی طبقہ اور پاپائیت جیسی کوئی چیز نہیں ہے، اپنے رویہ کے اعتبار سے دو گروہوں میں تقسیم ہے، ایک گروہ ہے جو اس سے برسر جنگ ہے، اس کی تکفیر کرتا ہے اور اس کے سائے سے بھی دور رہنا پسند کرتا ہے لیکن ان اسباب و علل کی جستجو سے بالکل مستغنی ہے جنہوں نے اس طبقے میں لادینیت کا رجحان پیدا کیا، یہ گروہ اس کا قائل نہیں کہ اس طبقے سے اختلاط پیدا کیا جائے، دین اور رجال دین سے اس کی وحشت دور کی جائے، اگر کوئی ایمان و خیر کا ذرہ اس میں موجود ہے تو اسے بڑھوا دیا جائے، مؤثر اسلامی لٹریچر کے ذریعہ اس کے اندر دینی افکار اتارے جائیں، اس کے جاہ و مال اور قوت و اقتدار سے استغناء

دکھا کر اسلامی کردار کی عظمت کا نقش قائم کیا جائے، مصلحانہ اور حکیمانہ نصیحت کی جائے اور اس طرح کے احوال اور دل ودماغ کو بدلا جائے۔

دوسرا گروہ اس کی بالکل ضد ہے۔ وہ اس طبقے سے تعاون کرتا ہے مال وجاہ میں اس کا شریک بنتا ہے، اس کے ذریعے اپنی دنیا بناتا ہے، اس کا دین سنوارنے کی فکر نہیں کرتا پس اس گروہ میں نہ کوئی دعوتی روح ہے نہ دینی غیرت کا مظاہرہ، نہ یہاں اس بگڑے ہوئے طبقے کی اصلاح کی کوئی حرص و فکر پائی جاتی ہے اور نہ اسے اس قرب وتعاون میں کوئی پیغام ملتا ہے۔

اصلاح اور دینی انقلاب کے لئے جس گروہ کی ضرورت ہے:

ایسا کوئی گروہ نہیں جو اس صورتحال پر دردمند ہو، جو یہ سمجھے کہ یہ اونچا تعلیم یافتہ مریض ہے مگر علاج کے لائق اور شفایابی کے قابل اور پھر اس کے علاج کی فکر کرے۔ حکمت ونرمی کے ساتھ دین کی دعوت لے کر اس میں گھسے اور بے لوث نصیحت کا حق ادا کرے۔ ایسا کوئی تیسرا گروہ نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اس مغرب زدہ عنصر کو دین اور دینی ماحول سے قریب ہونے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ اس کی ساری زندگی اس ماحول سے وحشت اور دوری میں کٹتی ہے اور پھر اس کے بعد وحشت کو اہل دین کا گروہ اور بڑھا دیتا ہے۔ ایسے ہی وہ ایک گروہ بھی اس بُعد ووحشت میں اضافے کا سبب بنتا ہے جو دین کے نام پر اس طبقے سے جاہ ومنصب اور حکومت وسلطنت کے لئے جنگ کرتا ہے۔ یہ دونوں گروہ سوائے اس کے کچھ نہیں کرتے کہ اس طبقے کو دین سے خائف کریں اور ایک بغض وعناد کی کیفیت پیدا کریں۔ انسان کی فطرت ہے کہ اگر وہ دنیا کا حریص ہے تو اس معاملے میں اپنے کسی رقیب کو برداشت نہیں کرسکتا، اگر حکومت وسلطنت ہی اس کا مقصدِ زندگی ہے تو اس میدان کے حریف کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتا، اور اگر بندۂ نفس اور خوگرِ عیش وعشرت ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ اس دنیا میں کسی کو سہیم (حصہ دار) وشریک بننے کی اجازت دے دے۔

عالم اسلامی کے درد کی دوا آج وہ گروہ ہے جو خواہشات سے بلند اور داعیانہ بے غرضی کا پیکر ہو، ہر اس بات سے دامن بچائے جس سے وہم بھی ہوسکتا ہو کہ اسے دنیا کی طلب ہے، یا اس کا مطمح نظر اپنے لئے، اپنی پارٹی کے لئے یا اپنے خاندان کے لئے حکومت واقتدار کا حصول ہے، وہ گروہ جو اس

طبقے سے میل ملاقات کے ذریعے، مراسلات اور گفتگو کے ذریعے، دعوتی اسفار کے ذریعے، پُراثر اسلامی ادب کے ذریعے، شخصی روابط کے ذریعے، پاکیزگی کردار اور علواخلاق کے ذریعے، زہدواستغناء اور پیغمبرانہ اخلاق کی پراثر نمائندگی کے ذریعے ان نفسیاتی اور عقلی گرہوں کو کھول دے جو مغربی علوم نے پیدا کی ہوں یا دینی طبقے کی بے تدبیری سے پڑی ہوں یا کم فہمی، کم نظری اور اسلام اور اس کے صحیح ماحول سے بُعد ان کا سبب ہوا ہو۔

اس طرز پر کام کرنے والوں کی کامیابی:

یہی وہ گروہ ہے جس سے ہر دور میں اسلام کی خدمت بن آئی ہے۔ اموی سلطنت کا رخ پھیر دینے اور تخت خلافت پر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کو لا بٹھانے کا سہرا اسی گروہ کے سر ہے، جس کی نمائندگی رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ نے کی، اور پھر ہندوستان میں مغل سلطنت میں اسی نوعیت کا انقلاب بھی اسی گروہ کا رہین منت ہے، اکبر جیسے طاقور بادشاہ نے اسلام سے انحراف کر کے اور کھلی اسلام دشمنی پر کمر باندھ کے گویا یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اس اسلامی براعظم کو، جو چار صدیاں اسلامی حکومت کے سائے میں گزار چکا تھا، پھر پرانی جاہلیت کے سانچے میں ڈھال دے، لیکن اس حکیمانہ دعوت اور ایک ایسے حکیم اور داعیٔ اسلام کے ظہور میں آنے کے طفیل، جس نے اسلام کے لئے خلوص اور اس کے تفقہ کا حق ادا کیا، اور اس کے جانشینوں کی کوششوں کے طفیل یہ ملک ایک بار اسلام سے نکل کر واپس اس کے ہاتھ میں آیا.....اور پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ آیا.....اکبر کے تخت پر پے در پے ایسے بادشاہ آئے جن میں سے ہر ایک اپنے پیش رو سے بہتر تھا، حتیٰ کہ نوبت اورنگزیب عالمگیر تک پہنچی، وہ اورنگزیب جس کا ذکر تاریخ اسلام اور تاریخ اصلاح کا ایک زریں باب ہے.....اور معلوم ہے کہ تاریخ ہمیشہ دہرائے جانے اور بار بار دہرائے جانے کے لئے تیار ہے، اسے کبھی اس عمل سے انکار نہیں ہوا، بس بات صرف اس قوت کی رہی ہے جو اس کا رخ پھیر سکے، اور اسلام کے تابندہ ادوار کو دہرا کر لانے والی قوت صرف یہی دعوت اور یہی حکمت واخلاص ہے۔

سنگین صورت حال:

اس صورت حال کا ہمیں ہمت واستقلال اور حکمت ودانائی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے،

دنیائے اسلام پر آج ایک دینی فکری اور تہذیبی ارتداد کی سخت مصیبت آئی ہوئی ہے۔ یہ مصیبت ان تمام لوگوں کے غور وفکر کا موضوع بن جانی چاہئے جو اسلام کا درد رکھتے ہیں۔ آج ہر اسلامی ملک کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے بہت سے افراد کا حال یہ ہے کہ اعتقاد وہ ایمان کا سررشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے، اخلاقی بندشیں وہ توڑ کر پھینک چکے ہیں، انداز فکر ان کا سرتا سر مادی ہو چکا ہے اور سیاست میں انہوں نے لادینیت کا نظریہ اپنا لیا ہے۔ اگر ''اکثر'' کا لفظ بولتے ہوئے مجھے خوف بھی ہو تو یہ ضرور کہوں گا کہ ان میں بہت سے ایسے ہیں جو اسلام پر ایک عقیدے اور ایک نظام کی طرح ایمان نہیں رکھتے، اور مسلمان عوام..... باوجودیکہ ان میں خیر وصلاح کے تمام جوہر موجود ہیں اور وہ اپنی طبیعت سے انسانیت کا صالح ترین گروہ ہیں..... اس طبقے کی علمی بالاتری، ذہنی تفوق اور اثر ونفوذ کی بناء پر اس کے ماتحت اور مطیع ہیں۔

اگر یہ صورت حال یونہی چلتی رہی تو یہ الحاد وفساد ان عوام میں بھی گھس کر رہے گا، دیہاتوں کے سادہ دل مسلمان بھی اس کی لہروں سے نہ بچ سکیں گے، اور کھیت اور کارخانوں کے مزدوروں کا بھی دین وایمان یہ پلٹ کر کے چھوڑے گا۔ یہ سب کچھ اسی رفتار اور انداز سے یورپ میں ہو چکا ہے، اور اگر حالات کا رخ اور رفتار یہی رہی، اور اللہ کا ارادۂ قاہرہ بیچ میں حائل نہ ہو گیا، تو مشرق میں بھی یہی سب کچھ ہونے جا رہا ہے۔

کام کی فوری ضرورت:

اس فریضے کی ادائیگی میں ایک دن کی بھی تاخیر کا موقع نہیں ہے، دنیائے اسلام کو ارتداد کی بڑی زبردست لہر کا سامنا ہے، ایسی لہر جو اس کے عزیز ترین طبقوں اور بہترین حصوں میں پھیل چکی ہے، یہ اس عقیدے، اس نظامِ اخلاق اور ان اقدار کے خلاف بغاوت ہے جو دنیائے اسلام کی سب سے برتر متاع ہے، اگر یہ دولت ضائع ہوگئی جو رسول ﷺ کا ترکہ ہے، جسے نسلوں پر نسلیں منتقل کرتی ہوئی لائی ہیں، اور جس کی راہ میں اسلام کے جانبازوں نے مصائب کے کتنے ہی پہاڑ اٹھائے ہیں، تو سمجھ لیجئے کہ عالم اسلام بھی گیا۔

کیا ہم اس حقیقت اور وقت کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے؟

نفس وشیطان اور مادیت پرستی سے معرکہ آرائی

(قسط:۴)

حضرت ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہم کے افادات کی روشنی میں

(علامہ محمد طفیل صاحب، ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

افراد کا تزکیہ نہ ہوتو بحیثیت مجموعی قوم تعمیری کاموں کی طرف متوجہ نہیں رہتی، مطمحِ نظر صرف یہی ہوتا ہے کہ معاشرہ میں کسی طرح اپنی بالادستی اور علمی دبدبہ کا احساس قائم ہو، اس کے لئے ہر گروہ دوسرے کی تحقیر وتذلیل کرتا ہے اور اسے نیچا دکھانے کی کوشش کرتا ہے، یہ آویزش سیاسی سطح پر بھی ہوتی ہے اور مذہبی سطح پر بھی۔ جن خطوں میں ایسے سیاسی گروہ برسراقتدار ہوں، وہاں قومیں غلامی کی راہ پر چل پڑتی ہیں اور جن مذہبی طبقات میں یہ سوچ شدت سے کارفرما ہو وہاں فروعی اختلافات پر بھی خوں ریز جنگیں برپا ہو جاتی ہیں۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ ص وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ لا وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ج (البقرہ:۱۱۳)

یہود کہتے ہیں کہ عیسائی حق پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہود کے پاس کیا دھرا ہے؟ ایسی ہی بات ان لوگوں (مشرکین) نے بھی کہی جو (الہامی کتابوں کا) علم نہیں رکھتے ہیں۔

تزکیہ کے بغیر قومی وجماعتی جذبہ ختم ہو جاتا ہے، خلوص وللّٰہیت سے دین کا کام کرنے والے افراد پر اپنے زمانے کے مروجہ گھٹیا محاورے چسپاں کئے جاتے ہیں، تاکہ ان کی مثبت کاوشوں کی گھناؤنی تصویر پیش ہو سکے اور دین دشمن منفی سرگرمیوں کا فروغ ہو۔ جیسے عصر حاضر میں قدامت پسندی، دقیانوسیت، انتہا پسندی اور دہشت گردی کی خودساختہ اصطلاحات سے بہت سے اہم دینی کاموں اور کاوشوں کی قدر کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا

جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (التوبة: ۷۹)

جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ خوش دلی سے خیرات کرنے والے مؤمنین پر (ریاکاری) کا عیب لگاتے ہیں اور جن مؤمنوں کو اپنی محنت ومشقت کی کمائی کے سوا اور کچھ میسر نہیں (اور اس میں سے بھی جتنا نکال سکتے ہیں راہ حق میں خرچ کردیتے ہیں) ان پر تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ دراصل اللہ کی طرف سے خود ان پر تمسخر ہو رہا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تزکیہ سے فراموشی قومی سطح پر ایک اور بڑے بحران کو جنم دیتی ہے کہ تزکیہ سے محروم مقتدر قوتیں اجتماعی سطح کے اداروں کو دانستہ یا نادانستہ دین دشمن قوتوں کی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ ان اداروں سے چار قسم کے منفی کام وجود پذیر ہوتے ہیں۔ ان اداروں سے مسلمانوں کے جسمانی نقصان اور حذر کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ مخلص مسلمانوں کی مثبت دینی کاموں کی راہ بند کرنے اور انہیں مختلف سازشوں کے ذریعے حق سے باز رکھنے کی کوششیں ہوتی ہیں حتیٰ کہ جعلی مقدموں میں گھیرنے اور قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ ان اداروں سے ایسا لٹریچر تیار ہوتا ہے اور ایسی دعوت دی جاتی ہے جس کا مقصد لوگوں کو دین سے انکار پر آمادہ کرکے کفر کی وادی میں پھینکنا ہوتا ہے۔ اس کیلئے تبلیغی مشن تیار کئے جاتے ہیں، سیمینار منعقد ہوتے ہیں اور اسلامی قوانین واقدار کے خلاف فضاء ہموار کرکے طاغوتی افکار کو اپنانے کی دعوت دی جاتی ہے۔ یہ ادارے اسلامی معاشرے میں اپنے ہمنوا تیار کرکے اور نئے نئے گمراہ کن افکار گڑھ کر فرقہ واریت کو فروغ دیتے ہیں۔ ان کا مقصدِ وحید یہ ہوتا ہے کہ نوجوان اپنے اکابر کی تعلیمات سے برگشتہ ہوں۔ ان میں خودرائی پیدا کرکے ''روایت'' کو چیلنج کرنے کا کام لیا جائے اور تسلسل وتواتر سے امت کو ملنے والے متفقہ عقائد واحکام کو مشکوک بناکر نئے مکاتب فکر پیدا کئے جائیں۔

ان اداروں کا ایک بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کفریہ طاقتوں اور حربی قوتوں کے لئے ''اڈوں'' اور کمین گاہوں کا کام دیں۔ تزکیہ سے محروم ''مسلمان'' حربی کفار کو اپنے ادارے ''نظریاتی'' اور ''عسکری'' اڈوں کے طور پر فراہم کرتے ہیں جہاں بیٹھ کر کفار حقیقی مسلمانوں کے خلاف اپنی یلغار کو تقویت دیتے

ہیں۔ ایسے لوگ ان منفی مساعی کے لئے قوم کو ''اعتماد'' میں لیتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ کفر کے ساتھ اس ساری ''ہم آہنگی'' میں ہمارے پیشِ نظر ملکی و قومی بھلائی ہے، ہم نے قوم و ملک کے مفاد کو سامنے رکھ کر ہی یہ فیصلے کئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی بات اور قسموں میں بالکل جھوٹے ہیں، ان کے پیشِ نظر ''قومی'' نہیں ''ذاتی'' مفاد ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (التوبة:۱۰۷)

اور جن لوگوں نے اس غرض سے مسجد بنا کر کھڑی کی کہ نقصان پہنچائیں، کفر کریں، مؤمنوں میں تفرقہ ڈالیں اور ان لوگوں کے لئے ایک کمین گاہ پیدا کریں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑ چکے ہیں، وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی ہو لیکن اللہ کی گواہی یہ ہے کہ وہ اپنی قسموں میں قطعاً جھوٹے ہیں۔

تزکیہ سے محروم قوموں سے دین و دنیا میں آگے بڑھنے کے واسطے تحقیق و تنوع کی صلاحیت چھن جاتی ہے۔ وہ جمود کا شکار ہو کر احساس و شعور کی طاقت کھو بیٹھتے ہیں۔ المیہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے جمود کو حق پر ثابت قدم ہونے کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسی جمود زدہ قومیں تعیّشات میں گھر کر دیکھتی ہی رہ جاتی ہیں اور دنیا کے اقتدار و شکوہ پر باطل طاقتیں قبضہ کر لیتی ہیں۔ یہ جمودِ قلبی ''حق پر ثابت قدمی'' نہیں بلکہ ذلت و خواری کا سبب ہے۔ اس سے قومیں اپنی شناخت کھو بیٹھتی ہیں۔ ان کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں تحقیق و تنوع اور جلی قوتوں کے پردوں کو توڑ کر ان کا درست استعمال ''حق پر ثابت قدمی'' اور قوموں کی زندگی کی علامت ہوا کرتا ہے۔

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ (البقرة:۸۸)

جیسے کافر کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے محفوظ ہیں۔ (یعنی انہیں حق پر ثبات پوری طرح حاصل ہے، مزید تحقیق و تلاش اور تنوع کی کوئی حاجت نہیں) ان کو حق پر تو قطعاً ثبوت حاصل نہیں بلکہ ان پر کفر کی وجہ سے اللہ کی لعنت ہے۔

تزکیہ سے محرومی انسانی زندگی میں توہمات کے بحران کو بھی جنم دیتی ہے۔ حقائق سے نظریں پھر جاتی ہیں۔ جادو ٹونے، ٹوٹکے اور وہمی وخیالی چیزیں نگاہوں میں غیر معمولی اہمیت اختیار کر لیتی ہیں۔ زندگی کے معمولات کو حقائق اور محنت ومجاہدہ کی بنیاد پر طے کرنے کے بجائے جادو ٹونوں پر طے کرنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ سفلی عملیات اور ان کی تاثیر کو اس درجہ اہمیت دی جاتی ہے کہ ہر بیماری اور مصیبت کو ان سے جوڑا جاتا ہے اور حقائق نظروں سے پوری طرح اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اس سے ایسی توہم پرستانہ نفسیات کی افزائش ہوتی ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان زندگی کے معمولی کاموں کو حقیقی پیمانوں پر نہیں ناپ سکتا چہ جائیکہ وہ سماج وریاست میں عزیمت وجہاد کا مظاہرہ کر سکے۔

وَاتَّبَعُوۡا مَا تَتۡلُوا الشَّيٰطِيۡنُ عَلٰى مُلۡكِ سُلَيۡمٰنَ (البقرۃ:۱۰۲)

اور ان لوگوں نے جادوگری کے ان مشرکانہ عملیات کی پیروی کی، جنہیں شیطان حضرت سلیمانؑ کے عہد سلطنت کی طرف منسوب کرکے پڑھا کرتے تھے۔

تزکیہ سے محروم انسانی زندگی میں ''خوف'' کا بدترین بحران جنم لیتا ہے، خوف یہ ہے کہ انسان کو ہر وقت اس بات کی فکر رہے کہ کہیں میرے مفادات ضائع نہ ہوں۔ خوف کا شکار انسان مزاحمت کے وقت اس نفسیات سے اس قدر مغلوب ہوتا ہے کہ بزدلی اور بے دلی سے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ اور عزم وہمت کا مظاہرہ قطعاً نہیں کر پاتا۔ ''خوف کی نفسیات'' کا شکار گروہ ناگزیر مزاحمت و مدافعت کے لئے بھی ایسے ذرائع تلاش کرتا ہے۔ جہاں وہ اور اس کا مال محفوظ ہو۔ یہ گروہ متحد نظر آتا ہے لیکن درحقیقت ان کے دلوں میں تشتت وافتراق (نااتفاقی) ہوتا ہے۔ جوں جوں مزاحمت بڑھتی ہے ان کے باہمی اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی جاتی ہے۔

لَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ جَمِيۡعًا اِلَّا فِىۡ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاۡسُهُمۡ بَيۡنَهُمۡ شَدِيۡدٌ ؕ تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّ قُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى ؕ (الحشر:۱۴)

یہ لوگ تم سے نہ لڑ سکیں گے، ہاں مگر محفوظ بستیوں میں رہ کر یا دیواروں کے اوٹ سے۔ ان کی لڑائی آپس میں سخت ہوتی ہے تم ان کو مجتمع سمجھتے ہو۔ حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہیں۔

تزکیہ سے محرومی اکثر فرد کو دین کی آفاقی محنتوں پر آمادہ ہونے نہیں دیتی، وہ پوری طرح "گراہوا انسان" بن کر رہنے میں ہی عافیت سمجھتا ہے، تجارت، ملازمت، اہل وعیال اور خاندان کے تقاضے زندگی کا ایسا محور بنتے ہیں کہ دین کے لئے جد وجہد، سفر، قربانی نا قابل برداشت بار محسوس ہوتا ہے۔ نتیجۃً ایسے لوگوں میں کم ہمتی، تساہل، عافیت کوشی، مصلحت پسندی اور سست روی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کسی دینی تحریک یا مہم میں شرکت کی جرأت وہمت اپنے اندر نہیں پاتے۔

سَیَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْلَنَا ج
یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ج (الفتح:۱۱)

اب کہیں گے تم سے پیچھے رہ جانے والے گنوار کہ اپنے مالوں اور گھر والوں کے کام میں لگے رہ گئے۔ اپنی زبان سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے۔

تزکیہ سے محرومی کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ اللہ والے اور اہل حق ذلیل وخوار معلوم ہوتے ہیں اور ان سے دینی رہنمائی حاصل کرنے کو عار سمجھا جاتا ہے۔ اگر انہیں کبھی اس طرف متوجہ کیا جائے تو تکبر سے دو چار جملے کس دیتے ہیں۔ اور حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ اہل حق کی مجالس اور اجتماعات سے دور رہیں۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُ وْسَهُمْ
وَ رَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ (المنافقون:۵)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے اللہ کے رسول مغفرت کی دعا کرے تو وہ اپنے سروں کو موڑ لیتے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو کہ تکبر کرتے ہوئے رکتے ہیں۔ (جاری ھے)

اردو کی اہمیت اور تقدس

"عربی تو مبارک اور مقدس زبان ہے۔ اس کے بعد فارسی تھی۔ اب تو اردو ہے۔ رومیؒ، حافظ شیرازیؒ، سعدیؒ کا جواب نہ ہو سکا۔ اردو میں اقبال نے ہمیں بہت کچھ دیا۔ بندہ کے دل میں ایک حسرت اور ارمان ہے کہ اردو دفتری زبان ہو جائے۔ اس وقت عربی کے بعد اردو مقدس اور اسلامی زبان ہے۔"

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ

مذہبی ہم آہنگی: ضرورت یا سازش

(ڈاکٹر سید نعیم بخاری، فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی، پی ایچ ڈی پاکستان، پوسٹ ڈاکٹریٹ امریکہ، صدر شعبۂ اسلامیات و مطالعۂ پاکستان، ایگریکلچر یونیورسٹی، پشاور)

دور حاضر کا ایک عالمی اور انتہائی متحرک مسئلہ جس نے عام دنیا کو عموماً اور دنیائے اسلام کو خصوصی طور پر متاثر کیا ہے وہ ہے مذہبی ہم آہنگی۔ اس مسئلہ نے پاکستان کے تمام طبقوں کو اپنے شکنجے میں بری طرح کس لیا ہے اور ہر خاص و عام مجلس میں اتنی شدت سے دہرایا گیا ہے کہ اس کی مخالفت تو کجا اگر اس کے ما لھا و ما علیھا پر غور و فکر کی دعوت بھی دی جائے تو شاید دقیانوس، انتہاء پسند اور دہشت پسند کے فتووں سے کم فتوے نہیں لگیں گے۔ جبکہ اس موضوع پر انصاف سے لکھنا اور اس کے ہر زاویے کو عوام اور خواص کے سامنے رکھنا ازحد ضروری ہے۔ میں نے اس موضوع پہ کچھ لکھنے کی جسارت کی ہے، اس میں کتنا کامیاب رہا ہوں، یہ تو قارئین ہی بتا سکیں گے۔ اس موضوع کو اس لئے چنا کہ اربابِ حل و عقد کو دعوت دی جائے کہ اس جیسے موضوعات پر سنجیدگی کے ساتھ سوچا جائے اور ان کے دور رس نتائج سے عوام الناس کو متنبہ کیا جائے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ثواب کے بجائے گناہ کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ اس مضمون سے کسی پر تنقید مقصود نہیں اور نہ ہی کسی کی دل آزاری کا اردہ ہے البتہ نہ چاہتے ہوئے بھی بعض حضرات اس مضمون کا رخ اپنی طرف موڑیں گے اور اپنے آپ کو اس کا مخاطب سمجھیں گے (جس کے لئے میں معذور ہوں) اس لئے کہ ان کے وہ دل ہیں کہ جن کی دھڑکنیں ذکرِ مغرب سے وابستہ ہیں، ان کی وہ نگاہیں ہیں جو ہر معاملہ میں راہنمائی کے لئے امریکہ کی طرف اٹھ جاتی ہیں، وہ زبانیں ہیں جو اپنوں کے لئے تلوار سے تیز مگر ان کی تعریف میں ہر دم رطب اللسان رہتی ہیں، وہ جبینیں ہیں جو اس آستاں پہ سجدہ کے لئے اک اشارۂ ابرو کی منتظر رہتی ہیں، وہ جوانیاں ہیں جن کے دن اگر یورپ کی چاہ میں کٹتے ہیں تو راتیں بھی اسی یاد میں بسر ہوتی ہیں، اور وہ شخصیات ذی وقار ہیں، جو یورپ و امریکہ کو رواداری کے پیامبر، امن و آشتی، جمہوریت اور حقوقِ انسانی کے علم بردار گردانتی ہیں، اور جن کا مقصد ہی شاید اسلامی تہذیب پہ یورپی تہذیب کو غالب کرنا، ہندو ثقافت کو عام کرنا اور امریکی غلامی کا طوق

گلے میں ڈالنا ہے۔ اسی لئے تو ان کے پاؤں بس اِسی سمت چلا کرتے ہیں اور ہاتھ ایک ہی دعا کے لئے اٹھا کرتے ہیں۔ انہی ہاتھوں میں ہم اک آئینہ تھما دینا چاہتے ہیں، ایسا آئینہ جس میں ان کے محبوب کی تصویر کا دوسرا رخ بھی نظر آتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ رخ بھی ان کے سامنے آجائے تاکہ کل ان کے پاس یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہمیں تو اس کی خبر نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور غور وفکر کی صلاحیت سے نوازا ہے، اس لئے اختلاف کا ہونا ایک فطری بات ہے۔ عقل و دانش کا معیار ایک نہیں ہے۔ درجات مختلف ہیں اور دائرے بھی متنوع ہیں۔ اس لئے زندگی کے ہر شعبے میں اختلافات موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ آراء وافکار کا تنوع اور خیالات وتأثرات کا اختلاف سیاست میں بھی ہے، تہذیب وثقافت میں بھی ہے، معیشت و تجارت میں بھی ہے، طب وحکمت میں بھی ہے اور مذہب میں بھی ہے۔ اس لئے اختلافات کا موجود ہونا کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے بلکہ انسانی عقل ودانش کے مسلسل استعمال کی علامت ہے۔ البتہ اختلاف کا اظہار جب اپنی جائز حدود سے تجاوز کرنے لگتا ہے یعنی آگے بڑھنے لگتا ہے تو وہ تنازعہ اور جھگڑے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ رواداری اور ہم آہنگی کے باب میں یہی نکتہ سب سے زیادہ قابل توجہ ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کا بت ہر جگہ ناچ رہا ہے۔ لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہی نعرے اس سے پہلے بلند نہیں ہوئے ہیں؟ کیا ایسی تحریکیں اس سے پہلے نہیں چلی ہیں؟ کیا ہم ماسونیت جیسے ہولناک منصوبے کو بھول گئے ہیں۔ ماسونیت (Freemasonry) دراصل ایک خفیہ یہودی تحریک ہے جس نے دنیا کی تخریب کاری میں اہم ترین رول ادا کیا ہے۔ ہم یہاں دورِ حاضر کے الحاد کے لئے اس تحریک کے ایک منصوبے کو بیان کرنا چاہیں گے، جو چند صدیاں پیشتر مذکورہ تحریک نے بنایا تھا۔

آزادی، اتحادِ ادیان، مساوات:

۱۷۱۷ء میں ماسونیوں (Freemasons) نے برطانیہ میں ایک عظیم کانفرنس کا انعقاد کیا تھا جس میں انھوں نے آزادی، اتحادِ ادیان اور مساوات، تین خوشنما اصطلاحات وضع کیں اور پوری دنیا کو اس پر متفق کرنے کی کوشش کرنے کا اعلان کیا۔ دراصل یہی دورِ حاضر کے الحاد اور بے دینی کی اساس

اور بنیاد ثابت ہوئیں، اس لئے کہ ان کا مقصد اس سے بڑا ہلاکت خیز تھا۔

آزادی کا ماسونی مفہوم:

اس یہودی (صیہونی؛ Zionist) ماسونی تحریک نے آزادی کے نام پر دنیا میں ایسا عظیم فساد برپا کیا کہ الامان والحفیظ۔ اس لیے کہ آزادی سے اس کی مراد مذہب اور دین سے آزادی ہے، یعنی انسان نفسانی خواہشات کا غلام بن کر رہ جائے اور مذہب کے تمام مطالبات کو پس پشت ڈال دے۔

تو معلوم ہوا کہ ایک منظم سازش اور پلان کے تحت، یہ کام ہوا ہے، اللہ ہماری ہر طرح کے فتنے سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

مساوات کا نعرہ اور اس کا تباہ کاریاں:

مساوات مرد وزن کے نعرے کی بازگشت بھی اسی ماسونی کانفرنس سے ہوئی اور پھر دنیا میں اس نے جو کہرام مچایا وہ عیاں ہے، عورتوں کو برہنہ یا نیم برہنہ کر کے مارکیٹ میں لا کھڑا کر دیا، بدکاری کے لائسنس دئے جانے لگے اور اس کو پیشہ سے تعبیر کیا گیا، اور اب تو یہ کاروبار دنیا میں ایک نمبر پر ہے۔ اس عظیم فتنے نے ایسا کہرام مچایا کہ بیان سے باہر ہے، ساری انسانیت کو لپیٹ میں لے لیا، اور ام الفتن کی حیثیت اختیار کر لی۔ ''آزادیٔ نسواں''، ''حقوقِ نسواں''، ''یومِ عاشقاں'' (ویلنٹائن ڈے) کے نام پر عورت کی عفت اور پاکدامنی کو تار تار کر دیا، اس کی عزت سے کھلواڑ کیا گیا اور کیا جا رہا ہے، اس کے تقدس کو پامال کیا گیا اور کیا جا رہا ہے، اب عورت محفوظ نہیں رہی، آئے دن اخبارات میں رپورٹیں اور خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ عورت کو ہوس کا شکار بنا کر قتل کیا، اس کی عصمت دری کی گئی، یہ سب اسی مردود اصطلاح کا نتیجہ ہے۔

اتحادِ ادیان اور اس کی فتنہ سامانیاں:

اتحاد ادیان کے نام پر دنیا میں حق و باطل کے فرق و امتیاز کو ختم کیا جا رہا ہے، اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ''اِیشور، اللہ، گاڈ'' سب ایک ہی ہے، صرف اہلِ ادیان کے یہاں ناموں میں فرق ہے، حالانکہ ایسا نہیں، کیونکہ مسلمان کے نزدیک اللہ کی ایک تعریف ہے، اللہ وہ ہستی ہے جو تمام صفات کمال کی حامل اور تمام صفات رذیلہ وذمیمہ سے مبرہ و پاک صاف ہے، وہی خالقِ مطلق،

رازقِ مطلق، مالکِ حقیقی، متصرفِ عالم، ابدی وازلی، حی وقیوم، نہ وہ معطل ہے نہ محتاج، نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند، وہی قہار وجبار، وہ بڑے وسیع علم کا مالک، اس پر نہ تھکاوٹ آتی ہے اور نہ ہی اکتاہٹ، وہ قادرِ مطلق ہے، وہ اکیلا ہے، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ اولاد، نہ وہ کسی سے جنا ہے اور نہ اس سے کوئی جنا، کائنات میں کوئی اس کا ہم سر وشریک نہیں، وہی معبود برحق ہے، اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی اطاعت کا حقدار ہے، وہ کائنات کے ذرے ذرے کا پیدا کرنے والا اور اس کو حسن تدبیر کے ساتھ پروان چڑھانے والا ہے، وہی تعریف وحمد کے لائق ہے، وہی موت وحیات کا مالک ہے۔

غرضیکہ اسلام کا تصور اس باب میں واضح ہے۔ دوسری جانب دیگر مذاہب میں شرک جائز ہے، جائز ہی نہیں بلکہ اصل اساس وبنیاد ہے بلکہ جوہری اساس ہے۔ لہٰذا یہ کہنا سراسر بے بنیاد ہے کہ صرف اللہ کی ذات کے بارے میں مذاہب کا اختلاف لفظی ہے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارے یہاں جو اللہ کی ذات جل جلالہٗ کا تصور ہے، عیسائیت، یہودیت اور دنیا کے دیگر مذاہب میں بالکل اس کے برخلاف ہے۔ لہٰذا مسلمان کبھی بھی اس کا مجاز نہیں کہ وہ اتحادِ ادیان یا تقریب مذاہب پر ایمان لے آئے، اور اگر وہ ایسا کر گذرے تب تو یہ مسلمان ہی نہیں رہا۔

یہ تھی اتحادِ ادیان کی فتنہ سامانیاں جو مسلمان کو روح ایمانی ہی سے محروم کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے اور ایمان کی محبت وعظمت سے ہمارے قلوب کو معمور فرمادے۔ آمین یارب العالمین!

خلاصۂ کلام یہ کہ ماسونیت نے مختلف انداز اور اہداف سے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور دنیا میں فکری افراتفری ونراج (Anarchy) کے باب میں بڑا اہم رول ادا کیا، اور کرتی جا رہی ہے۔ قادیانیت، بہائیت، شیعیت، اشتراکیت، صہیونیت، گوہر شاہیت، یہ اسی کے آلۂ کار ہیں۔ ضرورت ہے ہم مسلمانوں کو چوکنا رہنے کی، ورنہ کیا سے کیا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں سے گذارش ہے کہ وہ ''اتحادِ ادیان''، ''آزادی''، ''مساوات''، ''حقوقِ انساں''، ''حقوقِ نسواں'' وغیرہ اصطلاحات مذعومہ کے فریب میں نہ آئیں۔ (ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ ۵، جلد ۹۲، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ بمطابق مئی ۲۰۰۸ء)

اگر بین المذاہب ہم آہنگی سے مقصود ایک نیا دین گھڑنے کی بھونڈی سی کوشش ہے جس سے

نہ مناظرہ، نہ مباہلہ، نہ تقابل وجائزہ، نہ دعوت وتبلیغ ہے، بلکہ مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے نام پر توحید ورسالت کے حقیقی مفہوم کی نفی اور بعض مواقع پر اسلام کے شعائر کی تضحیک وتوہین مراد ہے، تو شریعت میں ایسا کوئی تصور موجود نہیں ہے، اور نہ اس کی گنجائش ہے۔

مغرب نے اس پر اتنی بڑی سرمایہ کاری کی کہ یہ فائیو سٹار ہوٹلوں وآڈیٹوریم سے نکل کر عام محفلوں کا موضوع بن گیا ہے اور چونکہ یہ لبرل ازم کی راہ ہموار کرنے کا دوسرا نام ہے اس لئے تصور کیا جا سکتا ہے کہ کمزور ایمان والے مسلمان، جو پہلے ہی دین سے بہت دور ہیں، انہیں اس مہم نے کہاں پہنچایا اور کہاں تک پہنچا کر چھوڑے گی۔

سوال یہ ہے کہ مغرب والے ہمیں بین المذاہب ہم آہنگی کا سبق پڑھا رہے ہیں، کیا اس سبق کی ہمیں زیادہ ضرورت ہے یا مغرب کو؟

یہ درست ہے کہ اس وقت مغرب تہذیبی امامت اور سیاسی قیادت کے منصب پر فائز ہے، اگر چہ یہ معاملہ "کلاہ دھقاں بہ آفتاب رسید" والا ہے، اور ''زنگی'' کا نام ''کافور'' رکھ دیا گیا ہے، مگر ہے یہ امر واقعہ۔ اس تہذیبی برتری اور سیاسی بالاتری کا بہرحال کچھ نہ کچھ جواز ہوگا۔

مغرب آج دنیا بھر کو آداب تمدن کے ''بھاشن'' (درس) دیتا پھرتا ہے، جس کا خود اپنا تمدن آوارگی اور انارکی کے سوا کچھ نہیں اور اقوام عالم کو رواداری سکھاتا پھر رہا ہے جس کا مجموعی رویہ دلآزاری کے علاوہ کچھ نہیں۔

مغربی تمدن محض ''اخلاقی تعفن'' ہے اور رواداری فقط ''چنگیزی در پردۂ زنگاری'' ہے، دنیا کی تاریخ حادثات سے بھری پڑی ہے، اسے بھی ایک حادثہ ہی مان لینا چاہئے۔ حادثہ ایک واقعہ ہوتا ہے، کوئی ''قاعدہ'' نہیں جسے تقدس اور سند کا درجہ حاصل ہو، دولت کے زور پر ''ثقافت'' کو رائج کرنا اور طاقت کے بل پر اپنی ''سیادت'' منوالینا چنداں قابل رشک رویہ اور لائق تقلید کلیہ نہیں۔ آج اہل مغرب انہی دو سہاروں کو بروئے کار لا کر بڑے ''اپدیشک'' (واعظ) اور ''جگت گرو'' (عالمی لیڈر) بنے ہوئے ہیں، ورنہ دلائل وشواہد اور اقدامات وواقعات ان کے اس دعوے اور منصب کی اخلاقی وعلمی تائید کرنے سے قاصر ہیں۔

مغرب کے مرغوب اور دل پسند موضوعات انسانی حقوق، بنیاد پرستی، دہشت گردی، حقوق و آزادیٔ نسواں، امن، اظہارِ رائے کی آزادی، مساوات، بہبود آبادی، مالیاتی آلودگی، اور رواداری نہیں ہیں، یہ تو دعویٰ ہیں، تجربہ و مشاہدہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہرا بھرتا دن اور ہر ڈھلتی شام مغربی دعووں کی نفی کر رہی ہے، خواہ معاشرت کا گوشہ ہو یا سیاست کا میدان، ابلاغ کا منظر ہو یا انسانی حقوق کا ریکارڈ، ہر باب میں دوہرا معیار کارفرما ہے۔ تہذیبی و سیاسی ''امام'' رنگ و نسل کے تعصب میں بھی مبتلا ہیں، علاقائی و قومیتی سوچ کے بھی مریض ہیں، اور امیر و غریب کی تفریق کے بھی قائل ہیں۔ عالمی اداروں کو زرخرید غلام اور ذرائع ابلاغ کو بندگان بے دام کا درجہ دیتے اور اپنے مطلب کے فیصلے اور تشریئے چاہتے ہیں۔

سانپ اتر آئے حفاظت پہ یہ ممکن ہی نہیں
یہ تو دشمن کی حسیں چال بھی ہو سکتی ہے

اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری اعلیٰ انسانی اقدار کا جزوِ اعظم بھی ہے اور تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر بھی۔ مگر بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کی حقیقت تو بس اتنی ہی ہے جتنی قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اس سے آگے رواداری کے نام پہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ باطل کے مہیب صحرا کا اک حسین سراب ہے۔ اس کے پیچھے بھاگنے سے سوا اس کے کہ پاؤں شل ہو جائیں گے، زبان باہر نکل آئے گی، جسم کا جاں سے رشتہ بھی ٹوٹ جائے گا مگر یہ سراب ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا کہ مغرب کے نزدیک بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری تو اس صورتحال کا نام ہے کہ جس میں اسلام پانی کے مانند ہو جائے، جس برتن میں ڈالیں اسی کی شکل اختیار کر جائے، یعنی نام تو ہو اسلام کا اور شکل ہو ان کی من پسند۔

یہ پہلا مرحلہ ہے، اگلے مرحلہ میں انہیں یہ نام بھی خلاف بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری نظر آئے گا۔ جبکہ اسلام تو اِک ٹھوس حقیقت ہے، اس کا اپنا رنگ، اپنی شکل اور اپنا ذائقہ ہے۔ بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری اس چیز کا نام نہیں کہ اسلام ان کی مرضی کے مطابق ہر سانچے میں ڈھلتا جائے بلکہ یہ تو دوسروں کی بہتری اور فوز و فلاح کے لئے اس بات کا خواہاں ہے کہ وہ سب اس

کے دائرے میں آتے جائیں، اس کے سانچے میں ڈھلتے جائیں۔ یہ اگرچہ غیروں کو اپنے اندر سمونے کی تمنار کھتا ہے اور ترغیب و دعوت بھی دیتا ہے، کوئی تسلیم کرلے تو بہت اچھا، نہ مانے تو زبردستی اور جبرو اکراہ نہیں کرتا۔ انہیں ان کی مرضی اور خواہشات کے مطابق جینے کا پورا پورا حق دیتا ہے اور یہی اسلام کی بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری ہے۔ ہاں مگر اسلام اتنی احتیاط اور پرہیز ضرور کرتا ہے کہ کفر و شرک کی نجاست اور باطل کی خباثت اس کے اجلے دامن کو آلودہ نہ کرنے پائے، اور احتیاط و پرہیز کا یہی عمل مغربی بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کی نگاہوں میں خار کی طرح کھٹکتا ہے، اور اگر کبھی یہ بزعم خود روشن خیال مسلمانوں پہ حاوی ہوگئے تو یقین کیجئے کہ یہ ایک لمحے کو بھی آپ سے رواداری کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ تاریخی تجربہ اسی پہ دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حق کے حق ہونے کی علامت یہ بھی تو ہے کہ وہ باطل کی نگاہوں میں خار بن کے کھٹکتا ہے۔

اب مسلمانوں کو کیا ہوا کہ پہاڑوں کی چٹانوں میں نشیمن بنانے والے آج تنگ و تاریک گھاٹیوں کے مکین کیونکر ہوگئے اور صحرا کی وسعتوں کو اپنے قدموں تلے روندنے والے آج بندگلیوں کے باسی کیونکر بن گئے۔ یہ کوئی چندروز کا قصہ نہیں، اس کے پیچھے اغیار نے برسوں نہیں، صدیوں محنت کی ہے اور امت کی رگوں سے غیرت کا جوہر ختم کرنے کیلئے اس کو غیر ضروری رواداری کا زہرِ ہلاہل قند (میٹھا) کی شکل میں کھلاتے رہے ہیں اور اب انھیں کھلانے کی ضرورت بھی نہ رہی کہ یہ "قند" امت کے منہ کو لگ گیا ہے، اب یہ خود ہی اسے وافر مقدار میں تیار کرلیتی ہے۔ بے کار اور بلاضرورت رواداری کا تصور سمجھنا ہو تو اک لمحہ کو ان اشعار پہ غور فرمائیے۔

تم رام کہو وہ رحیم کہیں، دونوں کی غرض اللہ سے ہے
تم دین کہو وہ دھرم کہیں، منشا تو اُسی کی راہ سے ہے
تم پریم کہو وہ عشق کہیں، مطلب تو اسی کی چاہ سے ہے
وہ جوگی ہیں تم سالک ہو، مقصود دلِ آگاہ سے ہے
کیوں لڑتا ہے مورکھ بندے یہ تیری خام خیالی ہے
ہے پیڑ کی جڑ تو ایک وہی یہ مذہب ایک اک ڈالی ہے

تکبیر کا جو کچھ مطلب ہے ناقوس کا بھی منشا ہے وہی

تم جن کو نمازیں کہتے ہو ہندو کے لئے پوجا ہے وہی

اب دیکھئے، کیا (نعوذ باللہ) اس تصور کے بعد اللہ ورسول ﷺ کے سارے احکامات، جہاد کا پورا تصور، اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ، وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ، وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران: ۱۹، ۸۵، ۱۰۲) کا قرآنی نظریہ اور اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ:۳) کا اعلان ربانی بے معنی ہو کر نہیں رہ جاتا؟ بلکہ بعثت انبیاء، نزول وحی، اخروی کامیابی اور جزا و سزا کے سارے نظریات فضول اور اضافی ہو کر رہ جاتے ہیں اور جب ہر راہ ہی اسی ایک سمت جاتی ہو تو پھر باطل، باطل نہ رہا، حق و باطل، سچ و جھوٹ، اچھا و برا، نیک و بد، گھوڑا اور گدھا، سب برابر سمجھے جانے چاہئیں۔

بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کا یہی وہ تصور ہے جسے ''فتنہ'' سے تعبیر کرتے ہیں اور مسلمانان برصغیر میں اس ''فتنہ'' کا بھرپور آغاز اکبر کے ''دین الٰہی'' سے ہوتا ہے جس کے اہم اجزائے ترکیبی کچھ یوں تھے:

''گائے کا گوشت حرام قرار دیا گیا، ہندو تہوار ہولی، دیوالی، دسہرہ پوری ہندوانہ رسوم کے ساتھ منائے جانے لگے۔ پیشانی پر قشقہ لگایا جاتا۔ سود، جوا، شراب نوشی حلال قرار پائے۔ خنزیر مقدس جانور سمجھا جانے لگا۔ لاشوں کو دفن کرنے کی بجائے جلانا یا پانی میں بہانا بہتر قرار پایا اور اگر دفن کیا جاتا تو اس کے پاؤں لازمی طور پر قبلہ کی طرف کئے جاتے۔ اکبر خود بھی خانہ کعبہ کی طرف پاؤں کر کے سوتا تھا۔ چچازاد اور ماموں زاد سے نکاح ممنوع ٹھہرا۔ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا تعزیری جرم قرار پایا۔ منطق، فلسفہ، تاریخ اور ریاضی جیسے مضامین کی تدریس پر زور دیا گیا۔ فقہ، حدیث و تفسیر حقیر خیال کئے جانے لگے۔ زبان سے عربی الفاظ خارج کرنے کی مہم شروع ہوگئی۔ چالیس اہل علم کی مجلس بنائی گئی جو ہر مذہب سے اچھی باتیں اخذ کر کے نیا مذہب تشکیل دینے لگی مگر اس مجلس میں اگر کوئی عالم اسلام کی بات کرتا تو اس کا مذاق اڑایا جاتا۔ کلمۂ توحید بدل کر محمد رسول اللہ کی جگہ اکبر خلیفۃ اللہ تجویز کیا گیا اور اکبر کے سامنے سجدہ لازمی قرار پایا۔''
(روداد قفس از سید علی گیلانی، جلد اول، صفحہ ۲۷۲)

اکبر کے اس خودساختہ مذہب کا اگر بنظر غائر تجزیہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں نظر آتی ہے کہ اس مذہب کی ابتدا بھی ہندوؤں کے ساتھ غیر ضروری بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کے اس بیج سے پھوٹی جو اس کے ذہن میں کوتاہ اندیشوں، جاہ طلب اسلام دشمنوں، سازشی عناصر اور علمائے سوء نے بویا تھا اور ان کا دعویٰ یہ تھا کہ جب یہ بیج پھوٹ کر باہر نکلے گا تو اس سے رواداری کا وہ شجر سایہ دار بنے گا جس کے سایہ امن ومحبت تلے پورے معاشرے کو سکون نصیب ہوگا۔ مگر تاریخ نے دیکھا کہ اس بیج سے شجر تو نکلا جس کا نام بھی اگر چہ رواداری ہی تھا مگر اس پہ الحاد کے پتے پھوٹے، شرک و بت پرستی کے کانٹے نکلے اور اس پہ ہندومت کے پھول لگے اور ایسے میں اگر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محسنِ ملت اس فتنۂ رواداری کی جڑوں پہ اسلامی غیرت و حمیت کا کلہاڑا نہ چلاتے تو آج شاید برصغیر میں مسلمانوں کی تصویر کچھ اور ہوتی۔

ہادیٔ برحق محمد ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ میری امت میں مسلمانوں کے اندر ایک گروہ ہوگا جو عیسائیوں سے دوستی کرنے کے جنون میں ان کے نقش قدم پر چلنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرے گا اور آج ہم اس گروہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے عیسائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود دیکھ رہے ہیں۔

الفاظ واصطلاحات، اقدار وروایات کا بھرم تب ہی قائم رہتا ہے جب کہ ان کے اصل مفہوم ومقصد کو زبان ومکاں، رنگ ونسل، قوم وقبیلہ، لسانی ومذہبی، غرض تمام تفریقات اور تعصّبات سے بالاتر ہوکر رائج اور لاگو کیا جائے۔ لیکن اگر ترازو کا توازن برقرار نہ رہ سکے تو پھر نہ صرف یہ کہ اعتماد مجروح ہوتا ہے بلکہ غیر جانب دار محقق ومؤرخ یہ کہنے پہ بھی خود کو مجبور پاتا ہے کہ تلخ حقائق کو اور ذاتی، گروہی، قومی مفادات اور مخصوص تعصّبات کو خوبصورت الفاظ کے پردوں میں چھپانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ کچھ ایسی ہی کیفیت سے آج کا مغرب دوچار ہے۔ اصل امتحان تو دوسری اقوام سے برتاؤ کرنے پہ درپیش ہوتا ہے اور یہی وہ میدان ہے جہاں مغرب کے افعال ان کے اقوال پہ شاہد بننے سے انکاری ہیں۔

بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری، اگر چہ اعلیٰ انسانی اقدار کا جزو اعظم ہے مگر بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح بلی کا چوہے کیلئے روادار ہونا خلاف فطرت ہے، اسی طرح ہر

انسان کا دوسرے انسان اور ہر قوم کا دوسری قوم کیلئے ہر وقت، ہر موقع اور ہمیشہ کیلئے روادار ہونا بھی نظام قدرت کے خلاف ہے۔ جس طرح اس کائنات میں کسی بھی خلافِ فطرت بات کو دوام حاصل نہیں، اسی طرح تاریخ اقوام عالم کا مطالعہ اس امر کا شاہد ہے کہ عملی طور پر اس ''غیر ضروری رواداری'' کے نظریہ کو بھی کبھی استقرار حاصل نہیں رہا۔

تمام تر انسانی اقدار کا ایک مطلوبہ معیار ہی مطلوب و محبوب ہوتا ہے۔ اس سے کم یا زیادہ کی صورت میں وہی قدر، ایک خوفناک و مکروہ شکل اختیار کر لیتی ہے، جیسے قوت غصہ کی پسندیدہ مقدار شجاعت کہلاتی ہے، اس میں تفریط بزدلی تو افراط تہور اور جاہلیت ہے۔ قوت عقلیہ کی مناسب سطح حکمت ودانائی ہے، کمی کی صورت میں حماقت اور زیادتی جُز برہ (چالاکی، مکروفریب) ہوتی ہے۔ قوت شہوانیہ کی معتدل حد عفت و عصمت ہے جبکہ کمی جمود اور اضافہ فسق و فجور ہے۔ بعینہٖ رواداری حد سے بڑھ جائے تو بے غیرتی و بزدلی بن جاتی ہے اور ضرورت سے بھی کم ہو جائے تو تعصب و تنگ نظری سمجھی جاتی ہے۔

چنانچہ کچھ حضرات کے خیال کے مطابق بین المذاہب ہم آہنگی کا مطلب کبھی بھی ایمان لانا یا یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہر اختلاف کا خاتمہ کر کے دوستی کر لینا یا ظلم اور استعمار کی ہر شکل کو قبول یا برداشت کر لینا ہی نہیں ہوتا، بلکہ ہم آہنگی کے فروغ کی کوششوں کا مطلب اختلاف کے ساتھ جینے کا ہنر سیکھنا ہوتا ہے۔ افکار و آراء اور نظریات کا تنوع اور اختلاف ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا، یا کم از کم اس وقت تک ضرور باقی رہے گا جب تک کہ یہ پل پل بدلتی دنیا ایسے ہی بدلتی رہے گی۔ آج جب ہماری بہت بڑی دنیا بہت چھوٹی دنیا میں سکڑ چکی ہے، اب اس چھوٹے سے عالمی گاؤں (Global Village) میں بین المذاہب ہم آہنگی بنائے رکھنے کے لئے ایک دوسرے سے ہر سطح پر مکالمہ کرنا تمام انسانوں اور تمام مذاہب کی ضرورت بن چکی ہے۔

پھر بھی ان کے نتائج پر غور کیا جائے، اس کے لئے درست لائحہ عمل تیار کیا جائے اور متدیّن اور راسخین فی العلم علماء (پکے علم والے علماء) سے مشاورت کر کے انہی سے اصول و قواعد مرتب کروائے جائیں تاکہ اس کے مضر اثرات سے بچ سکیں۔

(نوٹ: جس دین میں دوسرے مذاہب کو اتنی رعایت دی گئی ہو کہ اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفہوم

ہے کہ جس نے ذمی (غیر مسلم شہری) کے حق کو ضائع کیا اس کی طرف سے میں خود مدعی ہوں گا، اور جس دین میں قاضی شریح کی عدالت میں خلیفۂ وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور ذمی یہودی کا کیس پیش ہو اور فیصلہ خلیفۂ وقت کے خلاف، ذمی یہودی کے حق میں ہو جائے اس سے بڑھ کر کیا رعایت اور کیا ہم آہنگی ہو سکتی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو چاہتے ہیں اس کو قرآن مجید نے صدیوں پہلے بیان کر دیا:

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (البقرة:۱۲۰)

ترجمہ: اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا، تو کہہ دے جو راہ اللہ بتلاوے وہی راہ سیدھی ہے، اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے ان کی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی یہ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ہم اپنے دین کو مکمل چھوڑ کر ان کے دین کو اختیار نہ کر لیں۔ ادارہ)

(صفحہ ۵۹ سے آگے) اس دفعہ مجمع میں نوعمر طلباء کی تعداد ایک تہائی کے قریب تھی۔ بندہ کی سخت گیری اور کرخت طبیعت کو برداشت کرتے رہے۔ تراویح کے ختموں میں ہمت کے ساتھ کھڑے ہوتے رہے اور آخری دن تبصرہ میں اس بات کا اعلان کرتے رہے کہ ہمارا دل بہت خوش ہوا اور ہر سال آنے کی کوشش کریں گے۔ لوند خوڑ کے ساتھیوں میں سے مولانا حافظ طاہر صاحب کے ساتھ پندرہ آدمی معتکف ہوئے۔ علاوہ ذکر و تلاوت و عبادت، سلسلے کی تربیتی ترتیب کے مطابق محنت کرتے رہے۔ کوہاٹ کی خانقاہ میں ڈاکٹر فہیم صاحب کی زیر نگرانی تراویح میں دو ختم قرآن اور تربیتی مجلس پورا مہینہ ہوتی رہی۔ ڈھوڈیال، مانسہرہ کی خانقاہ میں ایک ختم قرآن اور تربیتی مجالس پورا مہینہ مولوی مشتاق صاحب کی نگرانی میں ہوتی رہیں۔ مردان میں مولوی عبدالسلام صاحب کی جامع مسجد میں تربیتی اعتکاف ہوا جس میں پندرہ افراد شریک ہوئے۔ مردان میں ہی ایک تربیتی اعتکاف اسد صاحب کی زیر نگرانی ان کے محلے کی مسجد میں ہوا جس میں آٹھ آدمی شامل ہوئے۔ انھوں نے بھی سلسلے کی تربیتی ترتیب کے مطابق کام کیا۔

(قسط:۳)

سنہری باتیں

ملفوظات حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم جمع کردہ علامہ محمد طفیل صاحب

(مرتب: صلاح الدین ایوبی، جماعت ہشتم، کوہاٹ)

رضائے الٰہی اصل ہے

ارشاد فرمایا: جو اللہ کی رضا کے لئے مخلوق کی ناراضگی برداشت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے تمام مخلوقات کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور جو مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے مخلوق کے حوالے کر دے گا۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ارشاد فرمایا: ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کے بعد حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکہ ہجرت فرما گئے۔ اسباب کچھ بھی پاس نہ تھے، تنگدستی وقلاشی کا سامنا تھا، فاقوں پہ فاقے تھے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وظیفہ مقرر کرنا چاہا لیکن اسے غیرتِ طبعی سے گوارا نہ فرمایا۔ کسی نے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر شکرانے وصول کرنے کی تجویز دی تو فرمایا کہ ابراہیمؒ خود بلخ کی بادشاہی چھوڑ کر فقر اختیار کر گئے اور ہم ان کے مزار پر بیٹھ کر شکرانے وصول کریں؟

۱۴ دن کا فاقہ گزارا، اسی حال میں ملتزم سے چمٹ کر دعا گو تھے کہ آواز آئی! مانگ کیا مانگتا ہے۔ حضرت نے تین دعائیں مانگیں جو ساری قبول ہوئیں کیونکہ قبولیت کا وعدہ جو تھا۔

۱۔ اے اللہ! میرے سلسلہ والوں پر کبھی فاقہ نہ آئے۔

۲۔ میرے سلسلہ والوں کو بار بار بیت اللہ کی زیارت نصیب فرمانا۔

۳۔ میرے سلسلہ میں بیعت ہونے والوں کا خاتمہ ایمان پر فرمانا۔

ان دعاؤں کی برکت ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے کا کوئی فرد ان برکات سے محروم نہ ہوا۔ میں اس سلسلے کا ادنیٰ خادم ہوں، الحمدللہ ان تینوں دعاؤں کی برکت محسوس کی۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی خانقاہ کا خرچہ اس وقت ۱۲۰۰ روپے ماہانہ تھا جو اللہ تعالیٰ غیب سے پورا فرماتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سونا ۱۰، ۲۰ روپے تولہ ہوا کرتا تھا۔

ہم نے یہ جگہ (خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ)۔/۳۸۰۰۰۰۰ روپے میں تعمیر کی۔ الحمدللہ! ایسی برکت ہوئی کہ پیسے بھیجنے والوں کو منع کرنا پڑا۔ ایک صاحب نے تکمیل کے بعد۔/۵۵۰۰۰ روپے بھیجے اور قبول کا اصرار کیا تو وہ ان کی اجازت سے دربند، مانسہرہ کی زیر تعمیر مسجد پر خرچ کئے کیونکہ ہمیں اپنے اخراجات کے لئے چندے کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام اللیل

ارشاد فرمایا: آج کل لوگ بڑی ڈھٹائی سے یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ بھئی رمضان میں ایک ختم سننا ہے، باقی کہاں سے آگئے، یہ سب بدعت ہے۔ حالانکہ مفتیٔ اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب نے ''تعلیم الاسلام'' میں لکھا ہے کہ تراویح میں ایک ختم سننا سنت ہے، دو سننا مستحب ہے اور تین ختم فعل اولیٰ ہے۔ سنت جب مطلق ذکر ہو تو اس سے مراد سنت مؤکدہ ہوتی ہے۔

میں ۱۹۷۱ء سے لیکر ۱۹۹۵ء تک مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا۔ اس عرصہ میں ان کی تہجد کبھی قضا نہیں ہوئی۔ آپ کو چھ سخت بیماریاں لاحق تھیں۔ معدہ کے مریض تھے، دل کا عارضہ تھا، پھیپھڑے سخت متاثر تھے، قوت شنوائی متاثر تھی، کانوں میں مشین لگا کر آواز سنتے، دونوں پاؤں سے معذور تھے، شوگر کا عارضہ بھی تھا۔ ایک نوکر اور دو خادم وضو کرواتے اور وضو پر ایک گھنٹہ لگتا۔ ان معذور ٹانگوں اور بیماریوں سمیت رمضان المبارک میں پانچ ختم سننے کا معمول تھا۔ ایک دفعہ پورا قرآن ایک رات میں سنا، جس میں الحمدللہ میں بھی ساتھ تھا۔ اس سے پہلے رمضان میں پورا قرآن ایک رکعت میں سنا۔ زندگی کے آخری سال جسم کے سارے پٹھے کام کرنا چھوڑ گئے تھے، ۵ منٹ ہوش میں رہتے، ۵ منٹ بے ہوشی طاری رہتی، سخت تکلیف کی حالت تھی، عرض کیا گیا: حضرت! اس سال تو بڑی تکلیف ہے، ایک ختم سن لیجئے، لیکن ان حالات میں بھی چار ختم پورے سنے۔ اللہ اکبر!

ہماری خانقاہ میں جو چار ختموں کا اہتمام ہے، یہ حضرت کے آخری عمل کی یادگار ہے، ان شاء اللہ

جب تک جان میں جان ہے، اس کو قائم ودائم رکھیں گے۔

اللہ سے مال نہیں ہدایت مانگنی چاہیئے

فرمایا: ہمارے مولانا اشرف خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک رشتہ دار تھے، وہ آتے تو حضرت سے کثرتِ مال کی دعا کا کہتے، حضرت فرماتے: بیٹا! ہدایت مانگ، مال کو دوام نہیں۔ وہ اس بات پر ہاتھ لہرا کر پیسے اچھالنے کا اشارہ کرتے کہ جی مال مانگیں مال۔ حضرت وہی ارشاد فرماتے حتیٰ کہ وہ پیسوں کا اشارہ کرکے کہتے: جی! میرے لئے ہدایت کی دعا نہ کریں۔ (مقصود کثرتِ مال کی دعا ہوتی)۔ حضرت اللہ والے انسان تھے، ایک دن ہاتھ اٹھادئے، بس خوب مالدار ہوگئے۔

ایک دفعہ حافظ الحدیث حضرت عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت صاحبؒ کے پاس آئے۔ لوگ مل رہے تھے، میں بھی ملا تو کسی نے کہا کہ: حضرت یہ ''ڈاکٹر فدا'' ہیں۔ میں اس وقت ۱۷ گریڈ میں تھا۔ حضرت نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''پروفیسر'' یعنی ۲۰ گریڈ۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ۲۰ بلکہ ۲۱ گریڈ کو پہنچایا۔ وہ رشتہ دار صاحب آگے آئے۔ کسی نے کہا: حضرت یہ فلانے ہیں۔ حضرت نے ہاتھ لہراتے ہوئے نام لیا اور فرمایا: ''ان سے خطرہ ہے۔'' بس! بندے کا زوال شروع ہوا اور ایسا کہ مال، دولت، گاڑی سب کچھ گیا۔ فالج کا مرض لاحق ہوگیا۔ اسی میں انتقال ہوا۔ دو، تین سالوں میں وہ سارا کروفر رخصت۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ ان کی وفات کے بعد مجھ سے کسی نے کہا: بھئی! وہ فلاں کو جانتے تھے؟ ان کی بیٹی کا نکاح ہے، اسباب کچھ نہیں، بڑی تنگی ہے، کچھ تعاون کردیں۔ میں نے حسبِ استطاعت تعاون کی حامی بھرلی۔

یہ عبرت ہے ہمارے لئے کہ برکت وہدایت کی بجائے دولت مانگی لیکن نہ وہ سکون کا باعث بنی نہ فلاح کا۔ اللہ سے برکت کی دعا مانگتے رہنا چاہیئے۔

ایک عظیم تر اعزاز

(۲۳ر رمضان المبارک بروز منگل دن ۱۱:۳۰ بجے)

ارشاد فرمایا: اس جوانی اور صحت سے فائدہ اٹھالو، رمضان المبارک میں روزے رکھنے کے بعد قرآن پڑھنے سے زیادہ کوئی اعزاز نہیں.... تراویح میں پڑھنے سننے پر ہر حرف کے بدلے سونیکیاں ملتی ہیں۔ یہ

وہ عظیم تر اعزاز ہے جو بجز حضرت جبرائیل علیہ السلام کے کسی فرشتے کو بھی نہیں بخشا گیا..... فرشتے صرف تسبیح (سبحان اللہ کہنا) و تہلیل (لا الٰہ اللہ کہنا) کرتے ہیں، اس لئے جب حافظ قرآن پڑھتا ہے تو فرشتے حسرت و تمنا کی وجہ سے آ کر اس کے ہونٹ چومتے ہیں کہ یہ انسان ایک عظیم تر اعزاز کا حامل ٹھہرا ہے۔

دل کی گندگی

(۲۲ رمضان المبارک.. دن ۱۱ بجے)

ارشاد فرمایا: دل کی گندگیاں دو ہیں:

(۱) حرام روزی (۲) کبر، حسد، کینہ وغیرہ

دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد

ارشاد فرمایا: جہادِ آزادی کے بعد انگریز نے علماء کا بے دردی سے قتلِ عام کیا۔ لاہور سے پشاور تک انگریزوں کا ایک لشکر چلا جسے ہر داڑھی والے کو مارنے کا حکم تھا، اس وقت بہت سے مسلمانوں نے جان بچانے کے لئے ڈاڑھیاں مونڈھ دیں ورنہ مسلمان ڈاڑھی منڈھوانے کو بڑی بے غیرتی سمجھتے تھے۔ بہر حال اس سخت ترین وقت میں ہمارے اکابر نے سوچا کہ اس فرنگی استعمار کے طوفان کو روکنے اور مسلمانوں کے متاعِ ایمان کو بچانے کے لئے کون سا راستہ اختیار کیا جائے؟

اسی مقصد کے تحت جہادِ آزادی کے ۱۰ سال بعد ۱۸۶۷ء میں چھتے والی مسجد دیوبند میں انار کے درخت تلے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی، جس کے پہلے استاد ملا محمود دیوبندیؒ اور پہلے شاگرد محمود الحسن دیوبندیؒ تھے جو بعد میں ''شیخ الہند'' بنے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس چھتے والی مسجد کی زیارت نصیب فرمائی ہے۔

(جاری ھے)

اکبر الٰہ آبادی

قلبِ یقظان ہے مثالِ دیوبند	اور ندوہ ہے زبانِ ہوش مند
اب علی گڑھ کی بھی تم تمثیل لو	اک معزز پیٹ تم اس کو کہو

قلبِ یقظان: بیدار دل

ندوہ: لکھنؤ کا مشہور دینی مدرسہ ندوۃ العلماء

گھر کا سکون: ایک آرزو ہے سب کی

(ڈاکٹر سید فہیم شاہ صاحب، ایسوسیئیٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج کوہاٹ)

جو کچھ بوتے ہیں اسے ہی ہم کاٹتے ہیں۔ اپنی ہی غلطیاں انسان کو سزا دلواتی ہیں۔ کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی سزا سالوں بعد ملتی ہے۔ کچھ کی تو فوراً مل جاتی ہے۔ کچھ غلطیاں انسان کرتا خود ہے بھگتتا کوئی اور ہے، اپنی اولاد بھگتتی ہے یا قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی، جس کے ساتھ قلبی تعلق ہوتا ہے، وہ بھگتتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا دل جلتا ہے۔ ایسی ہی غلطیوں میں ایک غلطی پوشاک اور لباس کی غلطی ہے، جو گھر کے اندر یا باہر عورتیں اور بچیاں پہنتی ہیں، یا انہیں پہنایا جاتا ہے، بغیر اس بات کو دیکھے کہ مستقبل میں اس کے کیا ثمرات ملنے والے ہیں۔

میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ وہاں ایک ڈاکٹر صاحب اپنی ۵ سالہ بچی کو بھی مسجد میں ساتھ لائے ہوئے تھے۔ اس بچی کے بازو ننگے اور قمیص بہت مختصر، نیچے تنگ پاجامہ۔ ڈاکٹر صاحب صوم وصلوٰۃ کے پابند اور باشرع آدمی تھے۔ میں نے ان کے ایک دوست سے کہا کہ مجھے جلدی ہے جانے کی، آپ ان ڈاکٹر صاحب سے کہہ دیں کہ یہ ایک غیر اسلامی لباس ہے۔ یعنی چھوٹی سے چھوٹی بچی کو بھی یہ لباس نہیں پہنایا جاسکتا۔ اس عمر سے اس بچی کے ذہن میں مختصر اور بے حیا لباس کی وقعت بٹھائی جارہی ہے۔ اب اس کی والدہ کو بھی شعور نہیں اور عین ممکن ہے کہ ظاہری دینداری تو ہو لیکن باطن میں اسلامی غیرت کا فقدان ضرور نظر آتا ہے، اور ساتھ بے احتیاطی اور اپنی اولاد کی تربیت سے غفلت بھی۔ اکثر اوقات والدین چھوٹی بچیوں کو سر پر دوپٹہ اوڑھنے کی ترغیب نہیں دیتے اور کھلے بالوں کے ساتھ مختصر لباس میں باہر وہ بچیاں پھر رہی ہوتی ہیں۔

میں خیبر ٹیچنگ ہسپتال کے ہاسٹل میں رہتا تھا۔ وہاں پر ایک ڈاکٹر صاحب جو کسی وارڈ کے رجسٹرار تھے اپنے چھوٹے سے خاندان کے ساتھ رہ رہے تھے۔ ان کی پانچ سالہ بچی نہایت معصوم چہرے کے ساتھ ہاسٹل میں باقی بچوں کے ساتھ کھیلتی رہتی لیکن ایک بری عادت والدین کی طرف سے یہ تھی کہ سر کے بال ہر وقت کھلے اور پھیلائے ہوئے، بغیر دوپٹے کے مختصر سی قمیص اور شلوار ہر وقت پہنے

پھرتی رہتی تھی۔ کئی دفعہ میرے دل میں آیا کہ اس کے والد صاحب کو سمجھاؤں کہ یہاں کا ماحول ٹھیک نہیں اور اس طرح اس کو باہر نہ نکالا کریں، کہ بچی کھلے بالوں کے ساتھ بجائے پانچ سال کے آٹھ سال کی لگتی ہے، کہیں کوئی اسے نقصان نہ پہنچا دے۔ چونکہ اس ڈاکٹر صاحب کی دینی تربیت نہ ہونے کے برابر تھی اس لئے ہمت نہ ہوئی، کہ مبادا مجھے ہی لعن طعن کریں کہ چھوٹی بچی ہے اور آپ کی یہ گندی سوچ! کچھ دنوں بعد میں نے ان ڈاکٹر صاحب کو پریشان پھرتے دیکھا کہ اپنی اس بچی کو ہاسٹل میں لئے پھر رہے ہیں۔ بچی رو رہی تھی۔ میں نے خیریت دریافت کی تو جواباً بڑے درد کے ساتھ یہ قصہ سنایا کہ اس ہاسٹل میں کسی نے اس بچی کو چھیڑا ہے۔ اب یہ بچی اس بندے کو تو جانتی ہے لیکن معلومات نہیں ہو رہی ہیں۔ میں پستول لئے پھر رہا ہوں کہ مجھے ملے تو اسے شوٹ کر دوں۔ میں نے اس کے ساتھ ہمدردی کے بول بولے اور اپنی خدمات پیش کرنے کے بعد ان سے رخصت ہو گیا۔

بھیڑیوں کے اندر کھلی بکری کو چھوڑ دیں اور آپ خیر کی توقع رکھیں، یہ بیوقوفی کی علامت ہوتی ہے۔ کیا کہا جائے، وہ اپنے ہی کئے کا نتیجہ بھگت رہا تھا۔ اس کے نتیجے میں جو دکھ ان کی بیوی کو ہوا ہوگا وہ بے سکونی و پریشانی الگ رہی۔ میں ان ڈاکٹر صاحب کی والدہ کا معائنہ کرنے کے لئے ایک دفعہ ان کے ہاں گیا۔ والدہ صاحبہ اسلامی و گھریلو خاتون تھیں لیکن ڈاکٹر صاحب کی گھر والی کا دینی شعور نہ ہونے کے برابر تھا۔ بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ زخم ساری زندگی دل پر پڑا ہی رہے گا لیکن شاید ہی اسے اپنی اس غلطی کا احساس ہو کہ یہ میری اپنی غیر اسلامی ترتیب کی ہی سزا ہے۔

ایک آدمی اپنی چھوٹی بچی اور بیٹے کو ہمارے حضرت صاحب کے پاس دم کرانے کیلئے خانقاہ میں لایا۔ ہمارے ایک کوہاٹ کے مفتی صاحب بھی ہمارے ساتھ خانقاہ گئے ہوئے تھے۔ اس کے بیٹے کا لباس مکمل تھا یعنی جسم سارا ڈھانپا ہوا اور بچی کا لباس غیر اسلامی، یعنی بازو ننگے اور قمیص کا گریبان نیچے تک۔ حضرت صاحب نے بچی کو دم کرنے سے انکار کر دیا کہ پہلے اسے اسلامی لباس پہنائیں پھر آئیں۔ اس مفتی صاحب نے اس بات کو بہت سراہا کہ اصل تھانویت (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کی پیروکاری) تو یہاں دیکھی کہ مریدین کی بھول چوک پر تنبیہ کی جائے خواہ وہ مالدار یا صاحب حیثیت ہی کیوں نہ ہوں۔ مغرب کی ثقافت کا یہ اثر ہے کہ بچیوں کا لباس مختصر سے مختصر

اورلڑکوں کا لباس مکمل۔ عموماً والدین اس طرف توجہ نہیں دیتے کہ چھوٹی بچی کی لباس کے لحاظ سے کیا تربیت ہونی چاہیئے۔ اسلام ہمیں اس کے متعلق کیا درس دیتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ اولاد کی پرورش کرنے کے طریقوں میں اپنی کتاب بہشتی زیور (حصہ پنجم) میں لکھتے ہیں:

''چھوٹی بچیوں کا بہت بناؤ سنگھار مت کرو۔لڑکی کی زیادہ مانگ چوٹی (میک اپ) کی اور بہت پرتکلف کپڑوں کی عادت مت ڈالو۔لڑکی جب تک پردہ میں بیٹھنے کے لائق نہ ہوجائے زیور مت پہناؤ۔ اس سے ایک توان کی جان کو خطرہ ہے، دوسرے بچپن ہی سے زیور کا شوق دل میں ہونا اچھا نہیں''۔

حضرت بنانہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر تھی۔ اس وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک عورت ایک لڑکی کو ہمراہ لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اندر آنے لگی، وہ لڑکی جھانجھن (پیروں میں پہننے کا بجنے والا زیور) پہنے ہوئے تھی جن کے بجنے کی آواز آرہی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب تک اس کے پیروں سے جھانجھن نہ کاٹے جائیں، میرے پاس اسے ہرگز نہ لانا۔ میں نے رسولِ خدا ﷺ سے سنا ہے''جس گھر میں گھنٹی ہو اس میں (رحمت) کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''(رواہ ابوداؤد۔تحفۂ خواتین ص ۷۲۴)

چھوٹی بچیاں اکثر زرق برق لباس پہنتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ماں اپنی بچیوں کی اس انداز سے تربیت کرتی ہے کہ جب بھی باہر جانا ہوگا تو جاذبِ نظر لباس سے آراستہ کر کے بچیوں کو نکالیں گے۔گھر کے اندر بھی بلوغ سے پہلے اور بعد میں بھی لڑکیوں کو آراستہ پیراستہ لباس کا خوگر بنا کر رکھتی ہیں۔خود والدہ صاحبہ گھر میں کام کرنے والی ماماؤں کی طرح کپڑے پہنتی ہیں اور بیٹیوں کو زرق برق لباس پہنا کر رکھتی ہیں۔جب بازار سے کپڑا خریدا جائے گا تو بچیوں کیلئے لاعلمی میں ایسے لباس کا انتخاب کیا جاتا ہے جو جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ہوں۔

ایک ۱۳ سالہ مریضہ بچی اپنی ماں کے ساتھ میرے کلینک آئی۔تین چار دن سے اس کا پیٹ خراب تھا، ساتھ ہلکی الٹی بھی تھی، بیماری کی وجہ سے چہرہ اترا ہوا، نقاہت کافی تھی۔پانی کی مقدار جسم میں کم ہوجائے تو جسم ڈھیلا ہوجاتا ہے۔مریضہ بیماری کے باوجود انتہائی چمکیلا لباس پہنے ہوئی تھی۔ ناخنوں پر نیل پالش اور ہاتھوں پر مہندی لگائی ہوئی تھی۔چہرے پر بچپنے کی وجہ سے معصومیت واضح تھی

لیکن اپنے بھول پن کی وجہ سے معاشرے کی ظالم طبیعت سے ناواقف۔ میں نے اس کا معائنہ کیا اور بیماری کے مطابق نسخہ تجویز کیا لیکن میں نے ضروری جانا کہ بیماری کی پرہیز کے ساتھ ساتھ معاشرتی پرہیز سے بھی اس کی والدہ کو آگاہ کرتا جاؤں تاکہ دینی ودنیاوی فائدہ سے ماں بیٹی خالی نہ جائیں۔اس کی والدہ ہیئت کے اعتبار سے سادے کپڑوں میں ملبوس، معاشی لحاظ سے نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والی عام خاتون تھی۔ میں اس سے مخاطب ہوا۔

''بہن! بچوں کے کھانے میں احتیاط کیا کریں خاص طور سے سکول جاتے ہوئے گھر سے چیزیں بنا کر دیں اور سکول میں بازاری چیزیں کھانے سے پرہیز کراوئیں۔ کھانے سے پہلے ہاتھ دھلوائیں۔سکول جاتے ہوئے پانی بھی گھر سے بوتل میں ڈال کر لے جائے۔ان بچوں کو اگر باہر کسی ضرورت جیسے ہسپتال یا ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہو، یا بازار جانا ہو تو اس بات کا خاص اہتمام کریں کہ بھڑکیلا لباس نہ پہنایا کریں۔اس قسم کے لباس لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں جس سے معاشرتی بیماریاں وجود میں آتی ہیں۔ بچوں کی بھول پن کی وجہ سے لوگ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔نظر بد لگنے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔سادہ لباس میں باہر آیا جایا کریں۔''

میری باتیں بہت سادہ تھی لیکن اس عورت کا جواب سن کر میری عقل دنگ رہ گئی۔اس عورت نے جواب میں کہا: ''ڈاکٹر صاحب! میں اسے پرہیز کراؤں گی کھانوں وغیرہ سے لیکن دوسری بات آپ نے درست نہیں کہی۔ہم ایسے ویسے لوگ نہیں ہیں کہ آپ ہمیں غلط سمجھے۔آپ نے جو بات کی ہے اسے ہم بھی سمجھتے ہیں۔ دین دار ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں لیکن معاشرے کے ساتھ چلنا ہوتا ہے۔ یہ بچیاں ہیں، ان کی عمر ہی کیا ہے، اس عمر میں یہ ایسے لباس نہیں پہنیں گی تو کیا بڑھاپے میں پہنیں گی۔اس لباس میں کیا قباحت ہے۔ اس کا شوق ہے اس طرح کے لباس پہننے کا۔ان کو یہ لباس نہ پہنائیں تو سارے ہمیں طعن کریں گے کہ اپنی بچیوں کا خیال نہیں کرتے۔ ہم غریب لوگ ہیں لیکن شکر ہے کسی سے مانگتے نہیں ہیں۔اس درِ غریبی میں بھی ان کو اچھا سے اچھا لباس پہناتے ہیں۔''

میں نے کہا: ''بی بی اس طرح کا مختصر لباس گھر میں بھی پہننے کی اجازت نہیں ہے خواہ محرم مرد حضرات یعنی باپ، بھائی ہی کے سامنے کیوں نہ ہو۔جیسا سادہ لباس آپ نے پہنا ہے اس طرح ان کو

بھی پہننے کی عادت ڈالیں تا کہ لوگوں کی نظروں سے بچ سکیں۔'' اس نے جواباً کہا: ''میرے پاس جو اچھے اچھے جوڑے تھے وہ میں نے اپنی بچیوں میں تقسیم کردئے ہیں۔ اب میں وہ جوڑے کس لئے پہنوں۔ اب ان بچیوں کے دن ہیں اس قسم کے کپڑے پہننے کے۔ ہم نے تو اپنی عمر گزار لی۔'' میں نے پوچھا کہ بہن کیا آپ کے میاں زندہ ہیں، اس نے کہا: ''ہاں اللہ کا شکر ہے، زندہ ہیں، سارا دن باہر گزارتے ہیں، ذرا بچوں کی بیماری کی فکر نہیں، گھر میں بھی وقت نہیں دیتے، سارا دن اپنے دھندوں میں لگے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب مجھے بھی سر درد کی اور نیند کی گولی لکھ دیں تو مہربانی ہوگی، سارا دن کام کی وجہ سے تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔''

میں نے اس کا بھی معائنہ کیا۔ اس کی عمر ۳۵ اور ۴۰ سال کے درمیان تھی۔ میں نے مزید گفتگو جاری رکھنا وقت کا ضیاع سمجھا۔ ذہنی سطح باوجود رسمی دینداری کے اتنی نہیں تھی کہ میری بات کو سمجھ سکتی۔ جاتے جاتے اپنے گھر کا نقشہ میرے سامنے رکھ گئی اور بے سکونی کی فضاء کی وجہ بھی بتا دی۔ شوہر کی غیبت بھی کر گئی۔ شوہر صاحب گھر سے بے تعلقی رکھے ہوئے ہیں، اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں، لیکن ایک وجہ جو اکثر گھروں میں عموماً پائی جاتی ہے وہ ہے بیوی کی طرف سے شوہر کی ناقدری اور اس کا دل کی چاہت کے ساتھ خیال نہ رکھنا، اور اسے سکون پہنچانے کے مواقع تلاش نہ کرنا، گھر میں خود میلے کچیلے چڑیل بنے رہنا۔ یہ عورت میں انتہائی درجہ کی کمزوری ہے۔ بہر حال میں نے اسے ایک پرچی پر دوا لکھ کر رخصت کر دیا۔

میں نے اکثر مریضوں کو دیکھا اور ان کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کو بھی۔ شادی شدہ عورتیں ہوں یا غیر شادی شدہ، سب اس مرض میں مبتلا ہیں۔ باہر نکلیں گی تو بن سنور کر اور گھر میں ایسے رہیں گی جیسا سدا کا بیمار آدمی۔ اپنی بچیوں کی تربیت بھی اس رخ سے کرتی ہیں۔ شادی کے جوڑے صندوق کی نظر ہو جاتے ہیں تا کہ اپنی بیٹیوں کو دئے جا سکیں یا پڑے پڑے خراب ہو جائیں۔ شادی کیلئے پہلے دن کا جوڑا جو کہ ہزاروں روپوں میں خریدا گیا تھا اور پھر سوائے ایک دو دن کے پہننا نصیب نہیں ہوتا، یا پہنیں گی بھی تو تقریبات کے لئے، لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے کے لئے، یا پھر عورتوں کے آپس کے کپڑوں کے مقابلے میں شمولیت کے لئے۔

ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں نے اپنی گھر والی سے پوچھا کہ عورتیں ایسا کیوں کرتی ہیں۔اس کی بیوی نے جواب دیا کہ معاشرے کے ساتھ چلنا ہوتا ہے، مہنگائی کا زمانہ ہے روز روز تو کپڑے نہیں بنائے جاتے،اب تقریبات میں گھریلو استعمال کے کپڑوں کے ساتھ تو نہیں جایا جاسکتا، لوگ کیا کہیں گے اور گھر میں ان کپڑوں کا استعمال کریں تو کام کیسے کریں۔عورتوں کے مزاج کی اس قسم کی تربیت اب نسل در نسل چل پڑی ہے۔ماں اپنی اولاد کی تربیت میں یہ بات شامل کرتی ہے کہ باہر تقریبات میں تو سج دھج کے ساتھ جانا ہے اور گھر میں اس کے برعکس۔بچیوں کو اچھی طرح تیار کر کے باہر کی دنیا میں قدم رکھنے کا کہا جاتا ہے۔خود بھی ماں صاحبہ اسی بات پر عمل کر کے خوب تیار ہو کر جائیگی۔ بچوں کے ذہن میں یہ بات نقش ہو جاتی ہے کہ ایسے معاملات میں ایسا ہی کرنا ہے۔

شوہر کے لئے بننا سنورنا بھول جاتا ہے، گھریلو کام بہانہ بن جاتے ہیں۔یوں شوہر صاحب کی وقعت دل سے نکال باہر کرتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میٹھے بول بولنا، شوہر کی گھر آمد پر اسے خوش آمدید کہنا، مسکرا کر بات کرنا تک بھول جاتا ہے کجا یہ کہ وہ شوہر کے لئے بنے سنورے اور باہر سادہ کپڑوں میں جائے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شوہر کی دلچسپی گھر میں برقرار نہیں رہتی اور وہ جو شادی کے شروع میں پتھر دل کے ساتھ باہر جاتا تھا اب وہ دل پر پتھر رکھ کر گھر میں قدم رکھتا ہے۔یوں شوہر احساسِ محرومی کی وجہ سے چڑ چڑے پن کا شکا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے گھر میں تناؤ اور ناچاقی کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔یہی مرد جب باہر کی دنیا میں میٹھے بول کی تلاش میں نکلتا ہے تو بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنے گھر کے تناؤ کو کم کرنے کیلئے اور نفسانی خواہشات کے حصول کیلئے شیطان کے چلائے ہوئے جال میں پھنس کر اپنے ایمان کو ضائع کر دیتا ہے۔یہ اخلاقی بیماریاں معاشرے میں پھیلتی چلی جا رہی ہیں۔کچھ تو میڈیا نے ظلم شروع کیا ہوا ہے کچھ اپنا بھی قصور ہوتا ہے۔

کجھ انج وی راواں اوکھیاں سن (کچھ تو راستے بھی مشکل تھے)
کجھ گل وچ غماں دا طوق وی سی (کچھ میرے گلے میں غم کا طوق بھی تھا)
کجھ شہر دے لوک وی ظالم سن (کچھ شہر کے لوگ بھی ظالم تھے)
کجھ سانوں مرن دا شوق وی سی (کچھ ہمیں بھی مرنے کا شوق تھا)

اس بے راہ روی کی ذمہ دار وہ بیوی ہے جس نے اپنے شوہر کا اس پہلو سے خیال نہیں کیا اور گناہ میں برابر کی شریک ہے۔ اگر بیوی صاحبہ اس نقطے کو سمجھ جائے اور اپنے اندر ماں کی صفات اور بیوی کی صفات پیدا کرلے تو بچوں کی تربیت بھی صحیح ہوگی، وہ بھی دنیا کی ظالم نگاہوں سے بچ پائیں گے اور شوہر بھی بے راہ روی سے بچ جائے گا۔ گھر میں محبت کی فضا قائم ہوگی۔ گھر جنت کی نظیر بن جائے گا۔ جتنی میاں بیوی کی آپس میں محبت زیادہ ہوگی اتنی ہی بچوں کی تربیت صحیح ہوگی اور اتنا ہی گھر کا سکون زیادہ ہوگا۔ بیوی محبت کے مفہوم کو نہیں سمجھتی اور ماں کے روپ میں مصلح نہیں بنتی۔ بیوی شوہر کو شوہر تو مان لیتی ہے لیکن محبوب نہیں مانتی۔ شوہر محبوب بن جائے تو اس کے غصے اور ڈانٹ سب پیارے لگنے لگتے ہیں۔ بقول خواجہ مجذوب ؎

ایک تم سے کیا محبت ہوگئی	ساری دنیا سے ہی نفرت ہوگئی
آ گئے پہلو میں راحت ہوگئی	چل دئے اٹھ کر قیامت ہوگئی
لاکھ جھڑکو اب کہیں ہٹتا ہے دل	ہو گئی اب تو محبت ہوگئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورتیں اونٹوں پر سوار ہوئیں (عربی عورتیں) ان میں سے سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں جو بچپن میں اولاد پر سب عورتوں سے زیادہ شفقت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال کی سب عورتوں سے زیادہ نگہداشت رکھنے والی ہوتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۶۷ بحوالہ بخاری و مسلم)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کون سا مال بہتر ہے جسے ہم حاصل کریں تو اچھا ہوتا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یعنی سب سے بہتر مال ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل ہے، اور وہ مؤمن بیوی ہے جو شوہر کی مدد کرے اس کے ایمان پر۔'' (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۸)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے: ''یعنی ایمان پر مدد کرنے کا مطلب ہے کہ شوہر کی دینداری کی فکر کرے اور اوقات مقررہ میں اسے نماز، روزہ یاد دلاتی ہو اور دیگر عبادات پر آمادہ کرتی ہو اور بدکاری سے اور ہر قسم کے گناہوں سے باز رکھتی ہو۔'' (تحفۂ خواتین ص ۴۵۰)

بیوی کو اس میں اس بات کا بہت خیال رکھنا ہوتا ہے کہ شوہر اگر بدنظری کا مرتکب ہو رہا ہے اور دوسری عورتوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہے یا کسی اور وجہ سے گھر میں وقت کا دورانیہ کم ہوتا جارہا ہے تو آیا میں تو اس کا سبب نہیں بن رہی۔ گھر میں عدم دلچسپی کی سب سے بڑی وجہ جو میری سمجھ میں آئی، جس کا حاصل مختلف مرد بیماروں کا تجزیہ کرنے کے بعد ہوا، وہ ہے بیوی کی عدم دلچسپی اپنے شوہر کے بارے میں، کہ جب شادی کا ایک سال گزر جاتا ہے اور بچے پیدا ہو جاتے ہیں تو بیوی شوہر کی طرف سے غفلت برتنا شروع کردیتی ہے۔ اس کی حقیقت مندرجہ ذیل حدیث شریف سے بڑی واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مؤمن بندہ نے تقویٰ کی نعمت کے بعد کوئی ایسی بھلائی حاصل نہیں کی جو اس کے حق میں نیک بیوی سے بڑھ کر ہو (پھر نیک بیوی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ) اگر شوہر اسے حکم کرے (جو خلافِ شرع نہ ہو) تو اس کا کہا مانے اور شوہر اس کی طرف دیکھے تو شوہر کو خوش کرے اور اگر شوہر کسی کام کے بارے میں قسم کھا بیٹھے کہ ضرور تم ایسا کروگی (اور وہ کام شرعاً جائز ہو) تو اس کی قسم کو سچا کردے، اور اگر وہ کہیں چلا جائے اور یہ اس کے پیچھے گھر میں رہ جائے تو اپنی جان اور اس کے مال کے بارے میں اس کی خیر خواہی کرے۔'' (ابن ماجہ)

اس کی تفسیر میں مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کرے یعنی اپنا رنگ ڈھنگ شوہر کی مرضی کے مطابق رکھے، جب بیوی پر نظر پڑے تو اسے دیکھ کر اس کا دل خوش ہو۔ بعض عورتیں اینٹھتی رہتی ہیں بات بات پر منہ پھلانا اور مرض ظاہر کرنے کیلئے خواہ مخواہ کراہنا اپنی عادت بنالیتی ہیں۔ اور بعض عورتیں میلی کچیلی پھوہڑ بنی رہتی ہیں۔ ان باتوں سے شوہر کو قلبی اذیت ہوتی ہے۔ شوہر صورت دیکھنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا بلکہ گھر میں جانے کو بھی اپنے لئے مصیبت سمجھتا ہے۔ ان میں بعض عورتیں وہ بھی ہوتی ہیں جو نماز، روزہ کی پابند ہونے کی وجہ سے اپنے کو دیندار اور نیک سمجھتی ہیں۔ حالانکہ نیک عورت کے اوصاف میں یہ بات بھی شامل کردی گئی ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرے اور اس حال میں رہے کہ شوہر اس پر نظر ڈالے تو بیچارہ خوش ہو سکے البتہ خلاف شرع خواہش پوری نہ کرے۔ (تحفۂ خواتین ص ۴۴۷)

حرام مغز کا مسئلہ

(علامہ محمد طفیل صاحب، ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

''حرام مغز'' جانور کی ریڑھ کی ہڈی کے گودے کو کہا جاتا ہے۔ ہمارے اکابر نے اسے ذبیحہ کے ان اجزاء میں شمار کیا ہے جو کہ حرام ہیں، اس لئے اسے نکالنا ضروری ہوتا ہے۔

ہمارے حضرت سیّدی ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ مجلس میں کبھی کبھار فقہی مسائل کی تحقیق کے لئے بحث ومباحثہ کرواتے ہیں۔ ایک دن ''حرام مغز'' سے متعلق حضرت نے فرمایا کہ میں نے بزرگوں سے اس کے حرام ہونے کا مسئلہ سنا تھا، اس لئے اس کی خوب پابندی کرتا تھا، ایک بار ایک دعوت میں معلوم ہوا کہ میزبانوں نے بکرا ذبح کر کے اس کا ''حرام مغز'' نہیں نکالا، تو میں نے دعوت میں خشک روٹی کھائی۔ پھر ڈاکٹر صفدر صاحب (سلسلہ میں بیعت ایک ساتھی) نے ایک دن بتلایا کہ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ ''حرام مغز'' نہ مکروہ ہے نہ حرام، بیچاری ویسے ہی بدنام ہے۔ اس پر بندہ اور برادرم مفتی حسین احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ ''امداد المفتیین'' میں اسے حرام لکھا ہے۔ خانقاہ کی لائبریری میں ''امداد المفتیین'' موجود تھی، حضرت کے حکم پر اس سے حوالہ بھی نکال کر پیش کیا گیا جو قارئین کے افادہ کیلئے لکھا جارہا ہے۔

حلال جانور کا ''حرام مغز'' کھانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: حلال جانور کا ''حرام مغز'' کھانا درست ہے یا نہیں؟ فقہ حنفی کی کتب میں سات چیزیں حلال جانور کی حرام لکھتے ہیں۔ ان میں ''حرام مغز'' کی حرمت کا کہیں ذکر نہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم صفحہ ۶۸ میں حرام بتاتے ہیں مگر حوالہ ندارد۔ اس لئے حضرات علماء سے برائے اطمینانِ قلب حوالہ مطلوب ہے۔

الجواب: احقر کو باوجود بہت تلاش کے اس کا کوئی حوالہ نہیں ملا۔ ممکن ہے کہ حضرت مولاناؒ نے اس نصِ قرآنی سے استدلال کیا ہو جس کو حرمت کے بارے میں فقہاء نے بطور قاعدہ کلیہ کے استعمال کیا ہے:

وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبَائِثَ ۔ضب (بجو) کی حرمت میں بھی حنفیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ کما صرح به الشامی فی الذبائح صفحه ۲۱۲، جلد۵ ۔اور یہ ظاہر ہے کہ ''حرام مغز'' ایک ایسی چیز ہے کہ طبیعتِ سلیمہ کو اس سے نفرت اور استقذ ار لازم ہے۔ بہرحال جب تک کتبِ مذہب میں اس کی تصریح نہ ملے، حنفیہ کیلئے حرمت میں تأمل کی گنجائش ہے اور عمل میں احتیاط یہی ہے کہ ترک کیا جائے۔

(جلد دوم صفحہ نمبر ۱۷۹)

اس جواب میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے حوالہ نہ ملنے کا ذکر کر کے ''حرمت میں تأمل'' کی بات لکھی ہے اور شاید یہی وجہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتویٰ کی بھی تھی، لیکن اس جواب کے حاشیہ میں حضرت نے جو لکھتے ہیں کہ بعد میں محترم مولانا سعید احمد صاحب مفتی مظاہر العلوم سہارن پور مدظلہم نے نظر فرمائی تو اس کا حوالہ انھوں نے بتلایا۔ وہ بعینہٖ درج ذیل ہے۔

''صرح به الطحاوی علی الدر صفحه ۳۶، ج:۵، حیث قال: و زید نخاع الصلب.''

چونکہ اب تصریح مل گئی (کہ حرام مغز بھی صراحتاً ذبیحہ کے حرام اجزاء کی فہرست میں شامل ہے) لہٰذا حکم حرمت کا کرنا چاہیئے۔

ان تفصیلات کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ آج کل اس حوالے سے احتیاط نہیں برتی جاتی اور حرام مغز سمیت گوشت پکا لیا جاتا ہے۔ اس لئے اس مسئلے کی تشہیر ضروری ہے۔

(صفحہ نمبر ۶۰ سے آگے) تھا اور میں نے ہی لوٹایا تھا۔ میری بیوی یہ سن کر خوشی سے اچھل پڑی اور کہا آپ دونوں کی دعائیں قبول ہوئی ہیں۔ میں نے کہا: وہ کیسے؟ اس نے کہا: آپ کی دعا تو اس طرح قبول ہوئی کہ اللہ نے آپ کو گھر دیا، گھر والی دی، رزق دیا۔ اور میرے ابو کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ جب وہ واپس آئے تو میرے لئے دعا کی کہ یا اللہ جس امین انسان نے میرا ہار لوٹا کر مجھے دیا اس طرح کے نوجوان کا رشتہ میری بیٹی کے لئے بھیج دے۔ یوں اللہ ذوالجلال والاکرام نے آپ دونوں کی دعا قبول کی۔

مخلص انسان کا کام اللہ ذوالجلال والاکرام کبھی رکنے نہیں دیتا، اٹکنے نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی کشتی ہمیشہ کنارے لگا لیتا ہے۔

اعتکاف

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے جن احسانات کے انتہائی زیادہ شکر گزار ہیں ان میں سے ایک احسان ہمارے سلسلے کا تربیتی اعتکاف ہے۔اس دفعہ سلسلے کا انتیسواں اعتکاف تھا۔ پہلا اعتکاف ۱۹۸۹ء میں مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی میں ہوا تھا۔تعداد کی زیادتی اور محنتی خلفاء کی موجودگی کی وجہ سے اعتکاف تین جگہ پر ہوا۔اسلامیہ کالج یونیورسٹی میں پروفیسر الطاف صاحب کے ساتھ پندرہ افراد اعتکاف میں بیٹھے۔ذکر وعبادت، تراویح میں محلے کے ختم قرآن کے علاوہ آخری عشرے کا معتکفین کا ختم ہوا۔اجتماعی مجالس میں تربیتی تعلیم کے ساتھ مفید اصلاحی بیانات ہوتے رہے۔اللہ کے فضل سے شامل ہونے والے ساتھیوں نے زندگیوں میں پورا انقلاب محسوس کیا۔

پشاور یونیورسٹی کی مسجد فردوس میں پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب کی نگرانی میں اعتکاف ہوا۔ پورے دس دن کا اعتکاف کرنے والے پچانویں افراد تھے۔نفل اعتکاف کیلئے تقریباً پندرہ آدمیوں کی آمدورفت ہوئی۔مغرب کی افطار کی مجلس تقریباً ۱۳۰ تک آدمیوں کی ہوتی تھی۔معتکفین نے تراویح میں دو ختم قرآن کئے۔نوافل، ذکر وتلاوت کے علاوہ تربیتی تعلیمیں اور اصلاحی بیانات ہوتے رہے۔ بیانات کے لئے باہر سے بھی حضرات کو بلاتے رہے۔شامل ہونے والے افراد ماحول سے بہت زیادہ لطف اندوز ہوئے اور زندگیوں میں عظیم انقلاب کا تحفہ لیتے ہوئے واپس ہوئے۔

بندہ کی خانقاہ میں مدارس کی چھٹیاں ہوتے ہی مدارس کے اساتذہ اور طلباء کی آمد شروع ہوگئی۔ان حضرات کا قیام پورے چالیس دن یا پورے رمضان کا رہا۔آخری عشرے میں ننانوے آدمی مسنون اعتکاف میں بیٹھے جب کہ بیس پچیس حضرات مختلف اوقات کے نفلی اعتکاف میں شامل ہوئے۔ افطار کی مجلس ذکر ڈیڑھ سو آدمیوں تک ہوتی تھی۔اعتکاف کے عشرے میں تراویح میں دو ختم قرآن ہوئے۔ذکر وعبادت کے علاوہ فجر کے بعد حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فضائل اعمال سے تعلیم ہوتی رہی۔اگرچہ اشراق تک وقفہ بہت لمبا ہوتا تھا لیکن نوعمروں سمیت سب ساتھی جم کر بیٹھتے

رہے۔عصر کے بعد درس قرآن کا معمول رہا جبکہ تراویح کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ پڑھے جاتے رہے۔تربیتی اصلاحی مجلس دن گیارہ تا ایک بجے روزانہ ہوتی رہی۔اس مجلس میں حضرت علامہ طفیل صاحب سلسلے کی کتاب ''نقش درویش'' سے ہی عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاملات اور معاشرت پر مختلف مضامین کا انتخاب کر کے تقریباً ایک گھنٹہ تعلیم کرتے رہے۔ان کی گونج دار آواز اور درمیان درمیان میں مشکل الفاظ واصطلاحات کا ترجمہ اور مشکل مقامات کی تشریح سے عجیب سماں بندھتا رہا۔بے ساختہ بندہ کی زبان پر آیا پیران نہ پرَند مریدان پرانند یعنی پیر نہیں اڑا کرتے، مرید اڑایا کرتے ہیں۔حیرت انگیز اثر محسوس ہوتا رہا۔یہ طفیل صاحب کے اعتقاد اور محبت کی برکت تھی۔بندہ کو واضح طور پر محسوس ہوتا رہا کہ یہ ہمارے مشائخ کا فیض تھا جو بندے کے قلم سے کاغذ پر آ گیا۔بندہ اکثر بڑی حیثیت کے ڈاکٹر صاحبان اور افسران سے کہا کرتا ہے کہ آپ جو ہیں یہ آپ کے والدین کا کمال ہے۔آپ کی اپنی اولاد اگر اس طرح ہوئی تو یہ آپ کا کمال سمجھا جائے گا۔ایسے ہی ہم جو کام کر رہے ہیں یہ ہمارے مشائخ کا فیض وکمال ہے۔اپنی کتاب ''غبارِ خاطر'' میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب مرحوم نے یہ شعر لکھا تھا۔

مپرس تا کہ نوشت است کلك کہ کاثر ما
غبارِ خاطرِ ما است ایں غبارِ خاطرِ ما

ترجمہ: میرے ٹوٹے قلم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا کیا پوچھتے ہو؟ میری یہ کتاب غبارِ خاطر میرے دل کا اٹھتا ہوا غبار ہے۔

غبارِ خاطر کے بارے میں ادیبوں نے کہا ہے کہ اگر غبار خاطر کو تعمیر کی شکل میں پیش کیا جائے تو لوگ تاج محل آگرہ کو بھول جائیں۔اس شعر میں بندہ نے تبدیلی کر کے یوں کہا ؎

"مپرس تا کہ نوشت است کلك کہ کاثر ما"
ایں فیضِ شیخِ من است شود نوشتہ از قلمِ ما

ترجمہ: میرے ٹوٹے قلم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا کیا پوچھتے ہو؟ یہ میرے شیخ کا فیض ہے جو میرے قلم کے ذریعے لکھا گیا۔ (باقی صفحہ ۶۴ پر)

اخلاص کی برکت

(انتخاب: پروفیسر ڈاکٹر محمد طارق صاحب)

میں بہت ہی زیادہ غریب آدمی تھا۔ ایک مرتبہ میں نے طواف کرتے ہوئے ایک ہار دیکھا جو بڑا قیمتی تھا۔ میں نے وہ ہار اٹھایا۔ میرا نفس کہہ رہا تھا کہ اسکو چھپا لوں لیکن دل نے کہا ہرگز نہیں، یہ تو چوری ہے، دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ اس ہار کو اس کے مالک تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ مطاف میں کھڑے ہو کر میں نے اعلان کر دیا کہ اگر کسی کا ہار کھو گیا ہے تو آ کر مجھ سے لے جائے۔ ایک نابینا آدمی آگے آیا اور کہا کہ یہ میرا ہار ہے اور یہ میرے تھیلے سے گرا ہے۔ میرے نفس نے مجھے اور ملامت کر دیا کہ ہار تو تھا بھی کسی نابینا کا، اس کا کسی کو کیا پتہ چلنا تھا چھپا لیتے، مگر میں نے ہار اس نابینا بزرگ کو دیا اور وہ دعائیں دیتا ہوا واپس چلا گیا۔ میں اللہ سے روزانہ روزی کی دعا کیا کرتا تھا کہ اللہ میرے لیے روزی کا انتظام کر دے۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ میں مکہ سے ''ہلا'' آ گیا یہ ایک شہر کا نام ہے۔ وہاں ایک مسجد میں گیا تو پتہ چلا کہ وہاں کے امام صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ لوگوں نے مجھے کہا کہ آپ آگے ہو کر نماز پڑھا دیں۔ میں نے جب نماز پڑھائی تو لوگوں کو میری نماز اچھی لگی، وہ مجھے کہنے لگے تم یہاں امام کیوں نہیں بن جاتے۔ میں نے کہا چلیں ٹھیک ہے۔ میں نے وہاں امامت کے فرائض ادا کرنے شروع کیے۔ تھوڑے دنوں بعد پتہ چلا کہ وفات شدہ امام صاحب کی ایک جواں سال بیٹی بھی تھی، امام صاحب وصیت کر گئے تھے کہ اس کی شادی کسی نیک اور اللہ والے بندے سے کرانی ہے۔ مقتدی لوگوں نے کہا کہ اگر آپ چاہیں ہم آپ کا نکاح اس سے کرا دیں گے۔ میں نے کہا کہ جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔ چنانچہ ہم دونوں کی شادی ہو گئی۔ شادی کے کچھ ماہ بعد میں نے ایک دن بیوی کے گلے میں وہی ہار دیکھا جو میں نے طواف میں اس بوڑھے کو واپس کر دیا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا: ''یہ ہار کس کا ہے اور تیرے پاس کیسے آیا؟'' بولی: ''یہ ہار میرے ابو نے مجھے دیا تھا۔'' تب مجھے علم ہوا کہ امام صاحب وہی تھے جس کو میں نے طواف میں ہار لوٹایا تھا۔ میں نے بیوی سے کہا کہ یہ ہار ان سے گر گیا (باقی صفحہ ۵۷ پر)

اصلاحی خط

(علی آفتاب۔پشاور)

السلام علیکم!

دعا اور امید ہے کہ آپ خیر و عافیت سے ہیں۔صحت اور رذائل کے متعلق رہنمائی چاہیے تھی۔سر درد میرا تقریباً سال پہلے شروع ہوا تھا۔وہ اس طرح کہ ویب سائٹ پر آپ کا بیان سن رہا تھا جس میں یہ اشعار تھے

عاشقاں را روزمحشر باقیامت کا رنیست

عاشقاں را جز تماشۂ جمالِ یار نیست

(محشر میں عاشقوں کا قیامت سے کیا کام،ان کا کام تو دوست کے حسن کا تماشہ کرنا ہے)

اس سے پہلے بھی کچھ تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ تیرے عشق کے جرم میں مجھے قتل کیا جا رہا ہے،اے محبوب تو بھی چھت کے کنارے کھڑا ہو کر تماشہ دیکھ لے۔شعر بہت پسند آیا اور اپنے رب کی محبت بہت تھی۔اس وقت تو شعر سے شدید کیفیت ہوئی جس سے سر پر زور پڑا۔اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سیرت کے بیانات سنے ان سے بے حد محبت بڑھ گئی اور محبت کی شدت سے قلب پر بہت زیادہ فیض محسوس ہونے لگا اور سر میں درد ہو گیا۔آپ کو بتانا چاہا پر کسی وجہ سے بتا نہ سکا،شاید آپ فارغ نے تھے،تو عبیداللہ صاحب کو بتایا۔انھوں نے کہا کہ یہ زائل ہو جائے گا۔اکثر اس کے بعد اللہ کی یاد سے بھی سر میں درد ہوتا۔کسی دینی طالب کو دیکھ کر دل میں محبت کا جذبہ آتا تو اس سے بھی سر میں درد ہوتا۔آپ نے Lysovit شربت کا کہا،وہ آج تک استعمال کر رہا ہوں،کافی فائدہ ہوا۔بس اللہ کی یاد اور محبت کا نہیں سوچتا کہ سر پر بوجھ نہ ہو۔رمضان سے آپ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے روزانہ بادام کھانا شروع کئے۔اب ایک نئی قسم کا سر درد مجھے تقریباً چھ مہینوں سے شروع ہوا ہے۔اس کا علاج کروانے کے لئے خط لکھا ہے۔بہت بے آرام کیا ہوا ہے۔نقش روزانہ پڑھتا ہوں،الحمدللہ زبانی یاد ہے۔

علامات یہ ہیں کہ دماغ کی سوچ مسلسل ایک ایسے طریقے سے بدلتی ہے کہ سر میں درد ہوتا

ہے۔نماز، تلاوت، ذکر میں خاص طور سے محسوس ہوتا ہے۔ درمیان میں ایک مہینے کے لئے تقریباً بالکل ٹھیک ہوگیا تھا مگر اب پھر آ گیا ہے۔ تلاوت سننے سے خاص کیفیت ہوتی ہے کیونکہ جب بار بار دماغ کی سوچ متوجہ ہوتی ہے تو اس کے ساتھ خود بخود آنکھیں تیزی سے ہلتی ہیں۔ اگر آنکھیں نہ ہلیں تو پھر سوچ سے درد نہیں ہوتا۔ پہلے تو میرا یہی تجربہ تھا کہ یہ تب ہوتا ہے جب مجھ سے کبر، حسد، لالچ، کینہ وغیرہ کے زیر اثر کوئی عمل ہو جائے۔ میں اس کا علاج کروانا چاہتا ہوں۔ اس کا تعلق آنکھوں کی بار بار تیز حرکت سے ہے۔ میں پریشان ہوتا ہوں کہ یہ اعصابی بیماری ہے، کبھی سوچتا ہوں Migrane (آدھے سر کا درد) نہ ہو۔ کبھی سوچتا ہوں ایکسرے کرواؤں کہ سر کے اندر کچھ خراب تو نہیں ہوگیا۔ یہ درد مطالعہ اور سوچ بدل جانے سے بہتر ہوتا ہے یعنی جب درد کے بارے میں بھول جاؤں۔ جب یاد آتا ہے تو پھر دماغ ایسے سوچنے لگتا ہے جس سے آنکھیں تیزی سے ہلنا شروع کر دیتی ہیں۔ آپ سے نظر بد کے دم کی گزارش ہے، اور نظر بد کے تعویذ کی بھی گزارش ہے۔ اس کے ساتھ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کسی ڈاکٹر سے علاج کروانے کی ضرورت ہے تو وہ بھی بتا دیجئے یا اگر آنکھوں کا معائنہ کروانا چاہئے تو وہ بھی بتا دیں۔

آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی بھی دینی خدمت ہو تو مشورے سے کرنی ہوتی ہے۔ میں نے کافی عرصے سے مشورہ کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ پہلے یہ ضروری معلوم ہوا کہ رذائل کے بارے میں پوچھنا چاہئے۔ چند دن پہلے تبلیغ والوں نے فجر کا بیان مجھے کرنے کو کہا۔ میں دو سال پہلے بھی دو، تین بار کر چکا ہوں۔ شروع میں میری نیت میں اخلاص تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا کیا باتیں بیان کروں۔ صوفیاء کا قول یاد آیا کہ تحلیل (لا الہ الا اللہ کا ذکر) تو ایک تلوار ہے جس سے قلب سے غیر اللہ کی محبت نکل جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ اس میں نفس کا مفاد محسوس ہوا کہ امیر صاحب وغیرہ سوچیں گے کہ اس نے تصوف کی گہری بات کی تو میں نے ارادہ ترک کر دیا اور سادہ تبلیغیوں والی باتیں کرنے کا ارادہ کیا۔ بیان شروع کیا تو دیکھا کہ میرے بڑے بھائی کا دوست بیٹھا ہوا ہے۔ اب میں نے محسوس کیا کہ بعض باتیں تو میں صحیح نیت سے کر رہا ہوں لیکن بعض باتیں شاید اپنے بھائی کے دوست کو متاثر کرنے کیلئے۔ یہ خیال نہیں تھا کہ یہ سوچے گا میں نیک ہوں، صرف اچھا بیان کرنے کا خیال تھا۔ لیکن میں یہ جان بوجھ کر نہیں کر رہا تھا۔ ایک حدیث سنانے لگا اخلاق کے بارے میں تو جیسے ہی پتہ چلا کہ یہ نفس چاہتا ہے کہ بھائی کا دوست یہ

حدیث سنے اور اسے پتہ لگے کہ صرف نماز، روزہ وغیرہ ہی نہیں ہے تو میں نے فوراً حدیث کو بیان کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ایک تو تبلیغ کی نیت ہوتی ہے کہ مجمع میں کسی خاص شخص کو تنبیہ کرنا ہو۔ یہ مختلف تھی اور مجھے نفس کا عنصر محسوس ہوا۔ واپس آ کر ریا کاری سے توبہ کی اور رو یا اور ارادہ کیا کہ آپ کو بتاؤں گا اور جو آپ کہیں عمل کروں گا۔

میں بازار سے دودھ خرید رہا تھا۔ ایک دوست میرے ساتھ تھا۔ میرے ذہن میں آیا کہ یہ نہ سوچ کہ میں عام سا دودھ لے رہا ہوں اور ہمیں کمتر سمجھے۔ میں سے سوچا اب اسے بتاؤں گا کہ ۱۱۰ روپے کلو ہے اور بہترین دودھ ہے تو یہ تو اس کو متاثر کرنے کی نیت ہوگئی۔ آپ نے بتایا تھا کہ کسی کے متاثر ہونے سے نہ دنیا کا فائدہ نہ آخرت کا۔ یہ بات سامنے آ گئی۔

جب خط دیتا ہوں آپ کو اپنی موجودگی میں تو جن رذائل کا لکھتا ہوں وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ کیا کسی اور کے ہاتھ یا ای میل وغیرہ کے ذریعے بھیجنے میں بھی یہ تاثیر ہوگی؟

دعاؤں کی گزارش، والسلام۔

جواب از حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ: آپ کی طبیعت بہت حساس ہے اور ہر چیز کے بارے میں آپ بہت گہری سوچ سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ عمر کم ہونے کی وجہ سے اعصاب میں برداشت کی کمی ہے اس لئے آپ ''اسوۂ رسول اکرم ﷺ'' از ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ''آپ بیتی'' از حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ''بکھرے موتی'' از حضرت مولانا یونس پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ بار بار کیا کریں۔ اس سے ذہن پر بوجھ نہیں آئے گا۔ کھڑے ہو کر بیان کرنے سے پرہیز کریں۔

آنکھوں کا تیز تیز گھومنا اور سر میں درد آنا گہری سوچ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس وقت فوراً اپنی سوچ اپنے دنیا کے ضروری کاموں، کلاسوں، پڑھائی وغیرہ کی طرف پھیر لیا کریں۔ اس سے آپ کی طبیعت پر گہری سوچ کا بوجھ نہیں آئے گا۔ اسی سے طبیعت بحال ہو جائے گی۔ ڈاکٹری علاج کی فی الحال ضرورت نہیں۔ اپنے مالدار اور باحیثیت ہونے کا تأثر لوگوں کو دینا کبھی احساس کہتری کی بنیاد پر ہوتا ہے، کبھی کبر کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ پہلے آپ کو بتا دیا کہ اس چیز کا نہ کوئی دنیا کا فائدہ ہے نہ آخرت کا فائدہ ہے۔ اسی بات کو بار بار دھیان میں جمایا کریں۔ اس سے اس کمی کا علاج ہو جائے گا۔

رحمان باباؒ کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

کـه صـورت د مـحمدؐ نه وے پیدا　　　پیدا کڑے به خدائے نه وه دا دنیا

گر تری صورت مصور وضع فرماتا نہیں
دو جہاں کو زندگی کا سانس بھی آتا نہیں　　(طٰہٰ خان صاحب)

اگر صورت تری پیدا نہ کرتا رَبِّیَ الاَعْلیٰ
تو پیدا ہو نہیں سکتی تھی یہ دنیا نہ وہ دنیا　　(ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

کل جهان د محمدؐ په مخ پیدا شه　　　مـحـمدؐ دے د تـمـام جهـان آبـا

کاتبِ تقدیر بھی پیدا نہ کرتا کائنات
نام تیرا وہ اگر تحریر میں لاتا نہیں　　(طٰہٰ خان صاحب)

جہاں سارا حضور پاکؐ کی خاطر ہوا پیدا
محمدؐ مصطفیٰ ہی بس تمام عالم کے ہیں آبا　　(ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

نبـوت پـه محمد بانـدے تمام شه　　　نشتـه پـس لـه محمدهؐ انبیاء

تو کمال کاملیت اختتام انبیاء
یہ عمل اللہ تیرے بعد دہراتا نہیں　　(طٰہٰ خان صاحب)

نبوت کا ہوا اختتام آ کر محمدؐ پر
جو ان کے بعد آیا کوئی پیغمبر وہ ہے جھوٹا　　(ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

نـور هـلـه ده مـحمدؐ ؤ پیدا شوے　　　چې نه عرش ؤ نه کرسی وه نه سما

عرش و کرسی اور یہ ارض و سما ہوتے نہیں
نور تیری ذات کا گر جلوہ دکھلاتا نہیں　　(طٰہٰ خان صاحب)

محمدؐ مصطفیٰ کا نور تھا اس وقت جلوہ گر
نہ پیدا عرش تھا کرسی تھی نہ تھا آسماں پیدا　　(ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

بوئی هله د محمدؐ ؤ په جهان کی چی بویی نه ؤ د اٰدم او د حوا

آدم وحوا سے پہلے تھی تری خوشبو وہاں
ورنہ ان دونوں کا مسکن خلد کہلاتا نہیں (طٰہٰ خان صاحب)

کہ خوشبو آپؐ کی پھیلی ہوئی تھی کل جہانوں میں
نہ خوشبو تھی کہیں آدم کی نہ حوا کا تھا جھونکا (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

په صورت کی آخرین دے پیدا شوے په معنیٰ کی اولین دے ده هر چه

اول و آخر کہو یا باطن و ظاہر کہو
قبل آں اور بعد ازاں کوئی نظر آتا نہیں (طٰہٰ خان صاحب)

حقیقت میں تو ہیں وہ اولین سارے جہانوں کے
بصورت آخریں پیدا ہوئے ہیں حضرت والاؐ (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

که نبی دے که ولی دے که عاصی دے محمدؐ دے ده همه واړه پیشوا

وہ نبی ہے یا ولی ہے یا گناہگار حقیر
تیرا فیض پیشوائی ہو تو گھبراتا نہیں (طٰہٰ خان صاحب)

نبی ہو یا ولی یا گنہگاروں میں ہو شامل
سبھی طبقوں کے ٹھہرے پیشوا ہیں حضرت والاؐ (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

چه ئی دین ده محمدؐ وے قبول کړے جنتی دے که فاسق دے که پارسا

فاسق و فاجر ہے کوئی یا ہے کوئی پارسا
دین میں تیرے جو آئے اس کو ٹھکراتا نہیں (طٰہٰ خان صاحب)

محمدؐ مصطفیٰ کا دین اپنایا ہے جس نے بھی
وہ فاسق، پارسا ہو مستحق جنت کا ہے ٹھہرا (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

مثنوی گلزارمعرفت

حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی سے چند اشعار

کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ چاہتا ہے
میں تجھ سے ہوں یا رب طلبگار تیرا

نہیں دونوں عالم سے کچھ مجھ کو مطلب
تو مطلوب، میں ہوں طلبگار تیرا

بنا اپنا قیدی کر آزاد مجھ کو
ہے آزاد سب سے گرفتار تیرا

تیرا نام شیریں حلاوت ہے دل کی
ہر اک بات سے خوش ہے تکرار تیرا

رہے ہوش اس کو کسی کا نہ اپنا
الٰہی ہوا جو کہ ہشیار تیرا

نہ کوئی مرا ہے نہ ہوں میں کسی کا
تو میرا میں عاجز دل افگار تیرا

الٰہی بچا قہر سے اپنے مجھ کو
کہ ہے عفو، بخشش، کرم، کار تیرا

نظم

(پروفیسر ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان صاحب)

آپؐ کا نقشِ زیرِ پا ہو جاؤں
آسمانوں سے ماورا ہو جاؤں

شعلۂ طور سے جل اٹھوں
طاقِ جنت کا اک دیا ہو جاؤں

فکر اپنی رہے نہ کچھ مجھ کو
ہر دکھی دل کا آسرا ہو جاؤں

رفعتیں دو جہاں کی مل جائیں
میں تیری راہ میں فنا ہو جاؤں

کوئی ایسا نفس عطا ہو جائے
میں بہاروں کا اقتضا ہو جاؤں

کچھ نہ چاہوں جز ایں قدر شاکر
واقفِ معنیٔ رضا ہو جاؤں